

پاکستان کے
بڑے مالیاتی سکینڈلز



The Biggest Financial Scandals Of Pakistan





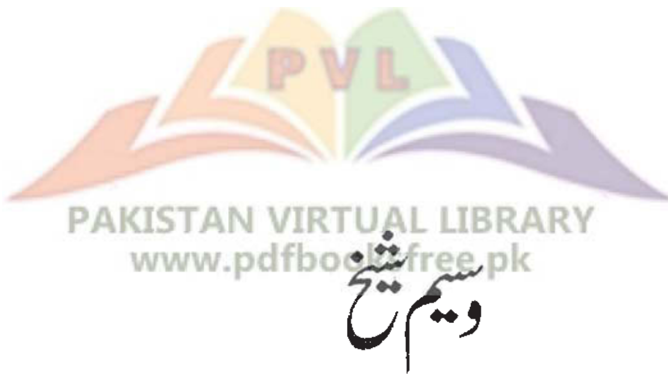








پاکستان کے
بڑے مالیاتی سکینڈلز



وسیم شیخ

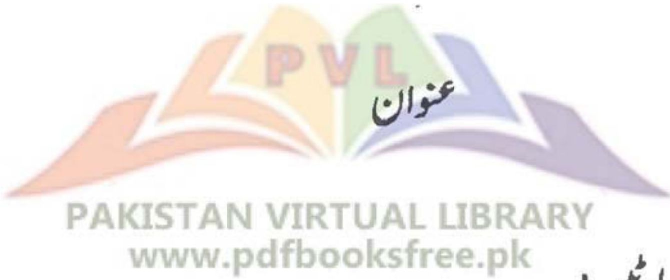
فیکٹ پبلیکیشنز

14/B علی پلازہ سیکنڈ فلور ٹیمپل روڈ لاہور فون: 042-6374538

Web site: www.factpublications.com

Email: factpublications@fact.com.pk

فہرست



عنوان	صفحہ نمبر
پیش لفظ	7
آؤ پاکستان لوٹیں!	9
لوٹ مار اور لوٹ کھسوٹ کا نیا طریقہ	12
مالیاتی سکینڈلز	29
پاکستان سٹیل ملز سکینڈل	31
کراچی سٹاک ایکسچینج سکینڈل	45
پی ٹی سی ایل سکینڈل	69
گوادر سکینڈل	79
حبیب بنک سکینڈل	89
انسائیڈر ٹریڈنگ سکینڈل	101

- کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن سکینڈل 111
- پاکستان ریلوے سکینڈل 121
- شوگر سکینڈل 139

پیش لفظ

''پاکستان کے بڑے مالیاتی سکینڈلز'' اس بدقسمت ملک میں حکمرانوں ،فوجی جرنیلوں، سیاست دانوں، بیوروکریسی اور صنعت کاروں کے اس باہمی گٹھ جوڑ کی داستان ہے جوگذشتہ آٹھ سالوں سے کھیلا جارہا ہے۔اس گٹھ جوڑ کے نتیجے میں ملک کا دیوالیہ نکل گیا، پاکستان کوترقی کے زینے تک پہنچانے والی صنعتوں کو''غیروں'' کے ہاتھوں فروخت کردیا گیااور ایسے لوگوں کو بے پناہ فوائد پہنچائے گئے جوحقیقی معنوں میں ملک کے خیرخواہ ہی نہیں تھے۔

1999ء سے 2008ء تک پاکستان میں جتنے بھی مالیاتی سکینڈلز منظرعام پرآئے ،ان کے ذمہ داروں کوسزا توکیا ملنی تھی بلکہ انہیں لوٹ مار کی کھلی چھٹی دی گئی اوران سکینڈلز کوسامنے لانے کی بجائے انہیں دبادیا گیا۔گذشتہ آٹھ سالوں کے''جرنیلی دورحکومت'' میں کرپشن،لوٹ کھسوٹ اور بے ضابطگیوں کی جوداستانیں رقم کی گئیں ان کا احاطہ اس ایک کتاب میں تونہیں ہوسکتا۔البتہ تھوڑی سی کوشش میں نے اس کتاب میں کی ہے۔

میری اس کوشش کوبھی اسی تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔اس کتاب میں ، میں نے جومواد دیا ہے میں اسے مکمل تونہیں کہہ سکتا لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔اس کام میں میری مدد معروف تحقیقی صحافی جناب مقبول ارشد صاحب نے کی۔میں ان کا شکرگزار ہوں ۔انہوں نے بہت سی دستاویزات بھی فراہم کیں جوان بڑے مالیاتی سکینڈلز سے متعلق حقائق کو سامنے لانے میں مددگار ثابت ہوئیں۔

اس کتاب کے بارے میں، میں مزید اس لئے کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ اپنی کسی رائے اور تبصرے کے اظہار کے بعد ہوسکتا ہے، میرے بارے میں اس کتاب کے پڑھے بغیر ہی یہ فتویٰ جاری کردیا جائے کہ مصنف نے جانبداری سے یہ کام کیا ہے اور پھر صحافیوں پر یہ الزام بہت جلدی لگادیا جاتا ہے۔ میں اس الزام سے بھی بچنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری کمٹمنٹ عوام اور اس ملک کے ساتھ ہے اور میں جو دیکھتا ہوں انہیں منظر عام پر لاتا ہوں۔ چاہے وہ حقائق کسی کے بھی خلاف کیوں نہ ہوں۔

اس کتاب کے حقائق بھی کسی الفاظی اور تبصرے کے محتاج نہیں بلکہ یہ تو سیدھے سادھے وہ Blunders ہیں جو اس ملک کے حکمرانوں، فوجی جرنیلوں، سیاست دانوں، بیوروکریسی کے کرداروں اور صنعت کاروں نے کئے اور اس کا خمیازہ آج پاکستان کے عوام کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

وسیم شیخ

لاہور

Email: waseemsheikh@fact.com.pk

آؤ پاکستان لوٹیں!

پاکستان میں جنرل (ر) پرویز مشرف کے آٹھ سالوں دور حکومت (12 اکتوبر 1999ء تا 2008ء) کے دوران گڈ گورننس کے نام پر جتنی لوٹ مار ہوئی، اس کی ذمہ داری براہ راست جنرل پرویز مشرف اور ان کے اتحادیوں پر عائد ہوتی ہے۔ سیاستدانوں اور میڈیا کو ناسور قرار دینے والے پرویز مشرف کے 8 سال اور 5 مہینوں میں، اس ملک کو جتنا لوٹا گیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس لوٹ مار پر شرمندہ ہونے کے بجائے وہ اب بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان سے اچھا حکمران پاکستان کو نہیں ملا۔ ان کی گڈ گورننس کا اندازہ گذشتہ آٹھ سالوں میں سامنے آنے والے ان مالیاتی سکینڈلز سے لگایا جاسکتا ہے جس میں قانون اور انصاف کی دھجیاں اڑاتے ہوئے لوٹ مار کی شرمناک داستانیں دوہرائی گئیں۔

یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ گذشتہ آٹھ سالوں میں حکمرانوں نے اس ملک کے عوام کو مہنگائی، بیروزگاری، بدعنوانی اور مالی سکینڈلز کے سوا کچھ نہیں دیا۔ چینی، گھی، سیمنٹ اور آٹے کے پے در پے بحرانوں نے غریب عوام کو نڈھال کر کے رکھ دیا۔ ان حالات میں بھی ان کا نعرہ یہی رہا کہ زرمبادلہ کے ذخائر بڑھ رہے ہیں اور غریب آدمی کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔

لوٹ مار، کرپشن اور بے ضابطگیوں کی اس داستان کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب جرنیلوں کو اس ملک کا مختار کل بنایا گیا اور فوجی افسروں کو سول محکموں کا چارج دے دیا گیا۔ اس کے بعد جتنے بھی جرنیلی اقدامات سامنے آئے وہ ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ دیوالیہ ہونے کے

کنارے پر کھڑے پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے پرویز مشرف نے سٹی بینک کے عہدیدار شوکت عزیز کو پاکستان کا وزیرخزانہ نامزد کیا۔ شوکت عزیز، پرویز مشرف سے زیادہ ورلڈ بینک کا انتخاب تھے، عالمی مالیاتی اداروں (ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور ایشین ترقیاتی فنڈز) نے مشترکہ طور پر جنرل پرویز مشرف کو شوکت عزیز کے لئے ''راضی'' کیا تاکہ وہ عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ ساتھ ان بڑے سرمایہ کاروں کے مفادات کا تحفظ بھی کرسکیں۔ شوکت عزیز نے وزیرخزنہ بنتے ہی قومی اداروں کی نج کاری کی ایسی داغ بیل ڈالی اور اسے جدید دور کے تقاضوں سے ایسے ہم آہنگ کیا کہ حکومت پاکستان کے مفادات تو کھوہ کھاتے میں چلے گئے جبکہ خریداروں کے مفادات کو زیادہ اہمیت اور فائدہ دیا جانے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار مضبوط اور عوام پستے ہوتے چلے گئے۔

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ نجکاری کمیشن جب قائم ہوا تھا تو اس کے چارٹر میں لکھا گیا تھا کہ یہ ادارہ نقصان میں جانے والے صنعتی مالیاتی اور ان تجارتی اداروں کو فروخت کرے گا جو ملکی خزانہ پر بوجھ ہوں گے، لیکن کسی بھی حکمران کے دور میں ایسا نہیں ہوا۔ بے نظیر بھٹو نے کوٹ ادو پاور پلانٹ جیسے منافع بخش اداروں کو بیچا۔ نواز شریف نے ان سے کئی قدم آگے بڑھائے اور جنرل پرویز مشرف کی 'جرنیلی جمہوریت'' کے دور میں تو منافع بخش صنعتی و مالیاتی اداروں کو چن چن فروخت کیا گیا۔ (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملے گی)

فروخت کئے جانے والے صنعتی و مالیاتی اداروں مین سے بعض ایسے بھی تھے جن کے اثاثے ان کی قیمت فروخت سے کئی سوگنا زیادہ تھے، جیسے 3 ارب روپے میں فروخت ہونے والی ملتان کی پاک عرب فرٹیلائزر فیکٹری۔ ماہرین کے مطابق عالمی مارکیٹ میں اس فیکٹری کی مشینری، عمارت اور زمین کی مجموعی قیمت ہی 40 ارب روپے کے لگ بھگ تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 2000ء سے 2007ء کے درمیان جہاں ایک طرف قیمتی منافع بخش ادارے کوڑیوں کے مول فروخت ہوئے، وہیں اس عرصہ میں لاجسٹک سپورٹ کے بلز، عسکری و تعمیری امداد کے نام پر پاکستان کو 48 ارب ڈالر کی خطیر رقم ملی لیکن اس عرصہ میں 9 ارب ڈالر کے قرضے بھی حاصل

کئے گئے۔

اس ''جرنیلی جمہوریت'' کے دور میں ہی پاکستان کا سب سے بڑا بینک، حبیب بینک آف پاکستان، آغا خان گروپ کو فروخت کرنے کا فیصلہ ہوا اور پھر اس پر عملدرآمد بھی ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ شوکت عزیز کو بینکاری کے شعبہ کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کرنے کے اپنے فیصلہ میں پرویز مشرف کی حمایت اور تائید بھی حاصل تھی۔ یو بی ایل، الائیڈ بینک اور حبیب بینک شوکت عزیز کے دور میں ہی فروخت ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وفاقی کابینہ کے ایک اجلاس میں وزیرخزنہ شوکت عزیز نے نیشنل بینک کو بھی فروخت کرنے کی تجویز دیتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت کے مالیاتی امور کو نیشنل بینک کی جگہ عسکری بینک دیکھ لے۔ ان کی اس بات پر میٹنگ کے شرکاء نے حیرانگی کا اظہار کیا تھا۔ یہ بھی شوکت عزیز کا ہی کارنامہ ہے کہ انہوں نے پی ٹی سی ایل کے 42 فیصد شیئر 21 ارب روپے میں فروخت کر کے انتظامی امور خریدار گروپ کے حوالے کر دیا، حالانکہ دنیا بھر میں اصول ہے کہ 42 فیصد حصص خریدنے والے گروپوں کو انتظامی کنٹرول نہیں دیا جاتا۔ یہ ''کریڈٹ'' بھی شوکت عزیز کو ہی جاتا ہے کہ انہوں نے سٹی بینک کے چند بڑے اکاؤنٹ ہولڈروں کا گروپ بنوا کر چار ارب سے زائد کی سٹیل مل محض 23 ارب روپے میں فروخت کروا دی۔ اگر سپریم کورٹ آف پاکستان اس کا ازخود نوٹس نہ لیتی تو ملکی تاریخ کی اس بڑی ڈکیتی کو بے نقاب نہ کیا جاسکتا۔

شوکت عزیز کے کارناموں میں سے یہ کارنامہ بھی جلی حروف میں لکھا جائے گا کہ 2004ء سے 2007ء کے درمیان ان کی ہدایت پر وفاقی حکومت نے فروخت کئے جانے والے مالیاتی اداروں کو مجموعی طور پر 31 ارب روپے کا انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، ویلتھ ٹیکس اور گورنمنٹ ریونیو معاف کر دیا۔ وزارت خزانہ اور اعظمیٰ کے آخری دور میں انہوں نے ملک کے اہم بینکوں مثلاً نیشنل بینک، حبیب بینک، یو بی ایل اور اے بی ایل میں اپنے سٹی بینک کے دوستوں کو کھپایا اور جاتے جاتے پکک کمرشل بینک کو بینکنگ کے عالمی معیار کے حساب سے 43 ویں نمبر پر آنے والے این آئی بی بینک کو فروخت کرنے کی منظوری دے گئے۔ بعدازاں یہ سارے کام کر کے وہ رات کی تاریکی میں اس ملک کو چھوڑ گئے اور ان کے اقدامات کا خمیازہ بدقسمت عوام بھگت رہے ہیں۔

لوٹ مار اور لوٹ کھسوٹ کا نیا طریقہ
اداروں کی سیل

دستیاب اعداد و شمار کے مطابق 12 اکتوبر 1999ء سے 20 جولائی 2006ء تک نجکاری کمیشن نے 58 سرکاری اداروں کو مکمل یا جزوی طور پر فروخت کیا۔ ان اداروں کی سیل سے جرنیلی حکومت کو 278 ارب 61 کروڑ روپے حاصل ہوئے۔ جبکہ 1991ء سے اب تک فروخت ہونے والے سرکاری اداروں کی کل تعداد 161 ہو چکی ہے جس سے موجودہ حکومت سمیت سابقہ ادوار میں کل 378 ارب روپے حاصل ہوئے۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں ہونے والی نجکاری میں بدعنوانیوں کے نئے تاریخی ریکارڈ قائم ہوئے۔ کچھ بدعنوانیاں بے نقاب ہو گئیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی لوٹ مار کا موازنہ کسی دوسرے دور سے نہیں کیا جا سکتا۔ فوجی دور حکومت کی لوٹ مار کے سامنے بے نظیر اور نواز شریف دور کی کرپشن کے کیسز انتہائی معمولی نوعیت کے نظر آتے ہیں۔ ''جرنیلی حکومت'' کے ذمہ داران 400 ارب روپے سے زائد کی سٹیل ملز کو 22 ارب روپے میں فروخت کرنے کے خلاف سپریم کورٹ کی جانب سے فیصلہ آنے کے باوجود ڈھٹائی سے بار بار یہ کہتے رہے کہ پورے فیصلے میں کرپشن کا لفظ موجود نہیں جبکہ سٹیل ملز کی فروخت کا عمل شروع سے آخر تک کرپشن سے بھرپور نظر آتا ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ سٹیل ملز کی

سیل میں اس کی کل قیمت کا اندازہ جس فارمولہ سے لگایا ہے وہ غلط ہے۔

موجودہ حکومت نے کیش فلو فارمولہ سے بینکنگ اور فنانس کے اداروں کی سیل میں جو قیمت لگائی اسے خریدنے والوں کو حکومت نے کم از کم 700 ارب روپے کا فائدہ پہنچایا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف ایک سیکٹر میں سیل ہونے والے اداروں کی جو قیمت وصول کی گئی اس سے پاکستان کو کم از کم 700 ارب روپے کا نقصان ہوا ہے۔ جن اداروں کو فروخت کیا گیا ان کی تفصیل یہ ہے۔

جون 1991 سے لے کر اگست 2006ء تک
نجی شعبہ کو دیئے جانے والے قومی اداروں کی تفصیل

نمبر	یونٹ	سیل پرائز	ٹرانسفر ڈیٹ	خریدار
1	الائیڈ بینک لمیٹڈ 51%	971.6 ملین	فروری 91	ای ایم جی
2	مسلم کمرشل بینک 75%	2,420,0	اپریل 91	نیشنل گروپ
3	بینکرز ایکوٹی 51%	618.7 ملین	جون	ایل ٹی وی گروپ
4	حبیب کریڈٹ اینڈ ایکسچینج 70%	1.633,9 ملین	جولائی 97	شیخ نہان بن مبارک النہان
5	یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ 51%	12,350,0 ملین	اکتوبر 02	کنسروزم ابیسٹ وے ابوظہبی گروپ
6	بینک الفلاح	620,0 ملین	دسمبر 02	ابوظہبی گروپ
7	(51%) گوپ ٹیسک ان (HBL)	22,409,0 ملین	دسمبر 03	آغا خان فار اکنامک ڈویلپمنٹ

8	مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ 6.8%	563.2ملین	جنوری01	ایم سی بی ایمپلائز پی ایف پی سپیشل فنڈ
9	مسلم کمرشل بینک 44%	364.4ملین	نومبر01	ایم سی بی ایمپلائز پی ایف پی سپیشل فنڈ
10	این پی جی (شیئرز 37.3ملین)	373.0ملین	فروری02	لسٹنگ پبلک آفر
11	مسلم کمرشل بینک CDC	664.0ملین	اکتوبر02	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
12	پاکستان آئل فیلڈز LTD شیئرز CDC	5,138.0ملین	اکتوبر02	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
13	اٹک ریفائنری CDC شیئر CDC	1039.0ملین	جنوری03	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
14	آئی سی آئی (لوٹ۔اے)	175.0ملین	ستمبر02	اے جی اے ایم سی او
15	آئی سی پی (لوٹ۔جی)	303.0ملین	اکتوبر02	پی آئی سی آئی سی
16	آئی سی پی (ایس ای ایم ایف)	787.0ملین	اپریل03	پی آئی سی آئی سی

17	این پی جی 10% شیئرز تھرواسٹاک ایکسچینج	782.0ملین	نومبر02	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
18	ڈی جی خان سیمنٹ شیئرز CDC	63.0ملین	دسمبر02	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
19	این پی جی آف پاکستان 3.2%	604.0ملین	نومبر03	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
20	سیل آف 5% شیئرز آف او جی ڈی سی ایل تھرو آئی OP	6.85,0ملین	نومبر03	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
21	سیل آف 10% شیئرز آف ایس ایس جی سی تھرو سیکنڈری آفرنگ	1,734.0ملین	فروری04	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
22	سیل آف 8% شیئرز آف PIA تھرو سیکنڈری آفرنگ	1,100.0ملین	جولائی04	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
23	سیل آف 15% شیئرز آف پی پی ایل تھرو (آئی پی او)	5,500.0ملین	اپریل05	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج

24	سیل آف 20% شیئرز آف (کے اے پی سی او) تھرو آئی پی او	4,60.0 ملین	اپریل 05	جنرل پبلک تھرو سٹاک ایکسچینج
25	یو جی ایل (آئی پی او 4.2%)	1,040.0 ملین	اگست 05	جنرل پبلک تھرو سٹاک ایکسچینج
		31,684.2	ٹوٹل	
		72,707.4	ٹوٹل پیکنگ فنانس	
26	مری گیس 20%	102.4 ملین	اپریل 94	مری گیس کمپنی LTD
27	کوٹ ادو پاور کمپنی 26%	6,707.6 ملین	جون 96	نیشنل پاور
28	کوٹ ادو پاور کمپنی 10%	2.37,7 ملین	نومبر 96	نیشنل پاور
29	کوٹ ادو الیکٹرو AC	1,033.0 ملین	اپریل 02	نیشنل پاور
30	ایس ایس جی سی ایل پی جی بزنس	369.0 ملین	اگست 00	ٹیکس آئل پاک (PVT)
31	ایس این جی پی ایل ایل پی جی بزنس	142.0 ملین	اکتوبر 01	شیل گیس ایل پی جی پاکستان
32	بدین II	516.1 ملین	جون 02	بی جی پاکستان + اکسی ٹینٹل پاکستان

33	اے ڈی ایچ آئی	681.4 ملین	مئی 02	پاکستان آئل فلیڈ
34	درنل	230.7 ملین	مئی 02	ویسٹرن ایکویشن
35	رتنا	32.0 ملین	مئی 02	ویسٹرن ایکویشن
36	بدین I	8,599.1 ملین	جون 02	بی جی پاکستان آکیوٹینل پاکستان
37	ترک وال	120.3 ملین	جون 02	آٹک آئل کمپنی
38	این آر ایل (51% جی او پی) شیئرز	16,415.0 ملین	مئی 02	سی آف اٹک ریفائنری (LTI)
39	کے ای ایس سی جی او پی شیئرز ہولڈنگ	240.0 ملین	نومبر	سی آف حسن ایسوسی ایٹس
	ٹیلی کمیونیکیشن			
40	پی ٹی سی ایل 2%	3,032.5 ملین	اگست 94	جنرل پبلک تھروسٹاک ایکسچینج
41	پی ٹی سی ایل 10%	27,725.9 ملین	ستمبر 94	تھرو ڈی آر فورم
42	26% (1.326 بلین) جی کلاس آف شیئرز آف پی ٹی سی ایل	155,000.0 ملین	جولائی 05	(UAE)

نمبر	ادارہ	رقم	تاریخ	خریدار
43	کیریئر ٹیلی فون انڈسٹریز	500.0 ملین	اکتوبر 05	سیمنز پاکستان انجینئرنگ (LTD)co
	انڈسٹریل یونٹ			
44	الغازی ٹریکٹر (LTD)	105.6 ملین	نومبر 91	ایفٹین انڈسٹریز (UAE) (PVT) (LTD)
45	نیشنل موٹرز (ایل ٹی ڈی)	150.4 ملین	جنوری 92	بابو جی سروسز
46	ملت ٹریکٹر (ایل ٹی ڈی)	306.0 ملین	جنوری 92	ای ایم جی
47	بلوچستان ویل لمیٹڈ	276.4 ملین	مئی 92	عبدالقادر سلیم کپیوروالا
48	پاک سوزوکی کوپمنڈ	172.0 ملین	ستمبر 92	سوزوکی موٹرز کو جاپان
49	نیا دور موٹرز لمیٹڈ	22.3 ملین	جنوری 93	فرید تھرمل + کپیوروالا
50	بولان کاسٹنگ	69.2 ملین	جون 93	ای ایم جی
	سیمنٹ			
51	میپل لیف سیمنٹ	485.7 ملین	جنوری 92	نشاط ملز (LTD)

نمبر	ادارہ	رقم	تاریخ	خریدار
52	پاک سیمنٹ	185.9 ملین	جنوری 92	میاں جہانگیر الٰہی + اے ایس ایس
53	وائٹ سیمنٹ	137.9 ملین	جنوری 92	میاں جہانگیر الٰہی ایسوسی ایٹس
54	ڈی جی خان سیمنٹ	1,960.5 ملین	مئی 92	طارق سہگل ایسوسی ایٹس
55	ڈنڈوت سیمنٹ	636.7 ملین	مئی 92	ای ایم بی
56	غریب وال سیمنٹ	836.3 ملین	ستمبر 92	حاجی سیف اللہ اینڈ گروپ
57	ذیل پاک سیمنٹ	239.9 ملین	اکتوبر 92	سردار محمد اشرف ڈی بلوچ
58	کوہاٹ سیمنٹ	527.9 ملین	اکتوبر 92	پیلس انٹر پرائزز
59	ڈنڈوت ورکس نیشنل سیمنٹ	110.0 ملین	جنوری 95	ای ایم جی
60	جنرل ری فیکٹری لمیٹڈ	18.9 ملین	فروری 96	شاہ رخ انجینئرنگ
61	واہ سیمنٹ	2,415.8 ملین	فروری 96	ای ایم جی
62	ایسوسی کیڈ سیمنٹ روہڑی	255.0 ملین	نومبر 03	نیشنل ٹرانسپورٹ کراچی

63	ٹھٹھہ سیمنٹ	793.0 ملین	جنوری 04	احباک گروپ
64	10% ایڈیشنل شیئرز ڈنڈوت سیمنٹ	8.3 ملین	اکتوبر 04	ای ایم جی
65	10% ایڈیشنل شیئرز کوہاٹ سیمنٹ	40.7 ملین	اکتوبر 04	ای ایم جی
66	مستحکم سیمنٹ 85.29%	3,20.9 ملین	نومبر 05	بیسٹ وے سیمنٹ لمیٹڈ
	کیمیکل			
67	نیشنل فائبرز لمیٹڈ	756.6 ملین	فروری 92	سیمون گروپ
68	خرم کیمیکل	33.8 ملین	فروری 92	ای پی جے اوایچ این (USA)
69	پاک پی وی سی لمیٹڈ	63.6 ملین	جون 92	ریاض شفیع، ریشم
70	سندھ الخیصی لمیٹڈ	152.3 ملین	اکتوبر 92	ای ایم جی
71	اینٹی بورٹ یکس پی وی ٹی لمیٹڈ	24.0 ملین	اکتوبر 92	ٹیسکو پرائیویٹ لمیٹڈ
72	سورت الیکٹرویشن	16.7 ملین	دسمبر 94	صاحب سلطان انٹرپرائزز
73	نوشہرہ پی وی سی کو لمیٹڈ	20.9 ملین	فروری 95	السید انٹرپرائزز
74	سورت کریمکس پرائیوٹ	38.6 ملین	مئی 95	امپریل گروپ
75	اتحاد کیمیکل	399.5 ملین	جولائی 95	جیمی گروپ

76	پاک ہائی آئل	53.6 ملین	جولائی 95	طارق صدیقی ایسوی ایٹس
77	راوی انجینئرنگ لمیٹڈ	6.9 ملین	جنوری 96	پٹروسین پراڈکٹ
78	نوشہرہ کیمیکل	21.2 ملین	اپریل 96	محبوب علی
79	نیشنل پٹروسین بون	21.9 ملین	جولائی 96	پیپسی ٹریڈنگ
80	نیشنل پٹروسین بون ایڈیشنل شیئرز 10%	2.3 ملین	مارچ 02	پیپسی ٹریڈنگ
81	خرم کیمیکلز ایڈیشنل 10%	6.0 ملین	اکتوبر 03	پیپسی ٹریڈنگ
82	10% ایڈیشنل شیئرز اتحاد کیمیکلز	26.1 ملین	اکتوبر 04	ای ایم جی
	انجینئرنگ			
83	کراچی پائپ لمیٹڈ	18.9 ملین	جنوری 92	جمال پائپ لمیٹڈ انڈسٹریز
84	پانیر سٹیل	4.4 ملین	فروری 92	محمد عثمان
85	میٹروپولیٹن سٹیل ملز لمیٹڈ	66.7 ملین	مئی 92	سردار احمد اشرف بلوچ
86	پاکستان سوئچ گیر	8.9 ملین	جنوری 92	ای ایم بی
87	کوالٹی سٹیل	13.2 ملین	اپریل 93	مارکیٹنگ انٹرپرائزز
88	ٹیکسٹائل مشینری کمپنی	27.9 ملین	اکتوبر 95	مہران انڈسٹریز

89	انڈس سٹیل پائپ	43.3 ملین	جولائی 97	حسین انڈسٹریز
90	پاک چین کمپنی لمیٹڈ	435.4 ملین	مئی 92	سیمون گروپ
91	پاک سعودی فرٹیلائزر لمیٹڈ	7,335.4 ملین	مئی، ستمبر 92	فوجی فرٹیلائزر
92	پاک سعودی فرٹیلائزر 10%	815.0 ملین	ستمبر 02	فوجی فرٹیلائزر
93	پاک عرب فرٹیلائزر 94.8%	14,125.6 ملین	مئی 05	ایکسپورٹ ای رائز
94	پاک امریکہ فرٹیلائزر 100%	16,110 ملین	فروری 06	ازگارڈ 9
95	فضل وتجیٹیبل گھی	21.2 ملین	ستمبر 91	میاں محمد شاہ
96	ایسولیس کیڈٹ انڈسٹریز	152.0 ملین	فروری 92	محبوب ابوارد ب
97	شیخ فضل رحیم	64.3 ملین	اپریل 92	روز گھی ملز
98	شیخ فضل رحیم ایڈیشنل 10% شیئرز	2.3 ملین	مئی 05	روز گھی ملز
99	کاکا خیل انڈسٹریز	55.3 ملین	مئی 92	محبوب ابوارد ب
100	یونائیٹڈ انڈسٹریز	15.3 ملین	مئی 92	اے اکبر گو
101	ہری پور وتجیٹیبل آئل	30.1 ملین	جولائی 92	ملک نصیر ایسوسی ایٹس
102	باوا گھی ملز	27.5 ملین	جولائی 92	داؤد خان
103	حیدری انڈسٹریز		اگست 92	ای ایم جی

104	چلتن گھی ملز	47.5 ملین	ستمبر 92	بلوچستان ٹریڈنگ کمپنی
105	وزیر علی انڈسٹریز	31.9 ملین	دسمبر 92	ٹریٹ کارپوریشن
106	آصف انڈسٹریز لمیٹڈ	11.4 ملین	جنوری 93	مظفر علی
107	خیبر وتجیٹیبل	8.0 ملین	جنوری 93	حاجی اے مجاہد اینڈ کو
108	سورج وتجیٹیبل گھی انڈسٹریز	10.2 ملین	جنوری 93	ٹریڈر رائز
109	کریسنٹ فیکٹرز وتجیٹیبل	46.0 ملین	جنوری 93	ایس جے انڈسٹریز
110	بینگال وتجیٹیبل	19.1 ملین	مارچ 93	ای ایم جی
111	اے+جی آئل انڈسٹریز لمیٹڈ	28.5 ملین	مارچ 93	ہاشم برادرز
112	ڈرگائی وتجیٹیبل گھی انڈسٹریز	26.2 ملین	نومبر 97	گل کوکنگ آئل انڈسٹریز
113	پنجاب گھی وتجیٹیبل	16.7 ملین	مئی 99	کینال ایسوسی ایٹس
114	برما آئل	20.1 ملین	جنوری 2000ء	ہوم پروڈیکٹ انٹرنیشنل

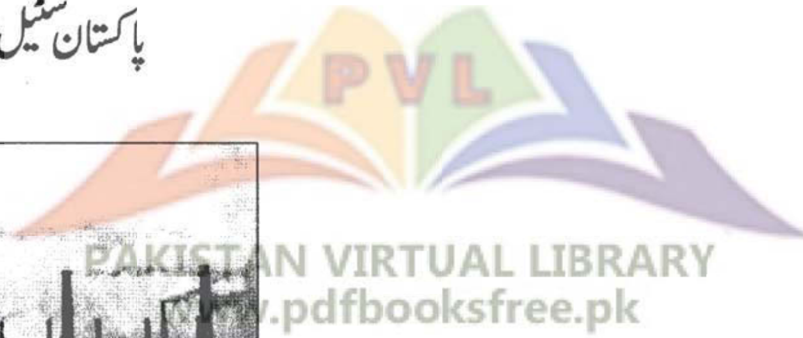
115	ای ایم آئل ملز	94.0 ملین	جولائی 02	سٹار کاٹن کورپ لمیٹڈ
116	مقبول آئل کمپنی	27.6 ملین	جولائی 02	مدینہ انٹرپرائز
117	کوہ نور آئل ملز	60.7 ملین	مئی 04	اقبال خان
118	یونائیٹڈ انڈسٹریز لمیٹڈ	7.7 ملین	ستمبر 05	اے اکبر منگو
		846.1 ملین	ٹوٹل	
119	میکروال کولریز	6.1 ملین	جولائی 95	غنی گروپ آف انڈسٹریز
120	شیخوپورہ	28.0 ملین	مئی 92	کنسٹرکشن
121	فیصل آباد	21.2 ملین	مئی 92	پیکیجز لمیٹڈ
122	سری والی	16.2 ملین	جولائی 92	این کے انٹرپرائز
123	حافظ آباد	20.0 ملین	ستمبر 92	پاک پرل رائس ملز
124	ایمن آباد	24.1 ملین	نومبر 92	پاک عرب فوڈ انڈسٹریز
125	دھونکل	79.2 ملین	جون 93	ڈونڈا پاکستان (PVT)
126	مبارک پور	16.2 ملین	نومبر 92	میکنکس پرائیویٹ
127	شکر پور	32.5 ملین	مارچ 96	افضال احمد

		237.4 ملین	ٹوٹل	
128	گلبرگ لاہور	8.7 ملین	جنوری 92	پیکیجز لمیٹڈ
129	پشاور	2.6 ملین	جنوری 92	سلیم گروپ آف انٹرنیشنل
130	ہیڈ آفس لاہور	10.2 ملین	جنوری 92	حاجی ٹیکسٹائل لمیٹڈ
131	حیدرآباد	2.6 ملین	جنوری 92	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن
132	فیصل آباد	11.5 ملین	جنوری 92	آزاد احمد
133	بہاول پور	1.6 ملین	فروری 92	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن
134	ملتان	2.5 ملین	فروری 92	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن
135	کوئٹہ	4.8 ملین	فروری 92	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن
136	اسلام آباد	3.6 ملین	مارچ 92	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن
137	کراچی	92 ملین	جون 92	سپورٹ رائٹ پرنٹرز
138	سائٹ کراچی	5.1 ملین	ستمبر 92	سپیشل پرنٹرز
139	ملتان روڈ لاہور	3.5 ملین	دسمبر 92	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن

140	کورنگی کراچی	4.1 ملین	اپریل 93	یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن
141	مغل پورہ لاہور		جون 96	پاکستان ریلویز
142	گلشن اقبال کراچی	20.2 ملین	مارچ 98	امبرین انڈسٹریز
	ٹیکسٹائل			
143	قائدآباد وولن ملز	85.5 ملین	جنوری 93	جہانگیر اعوان ایسوسی ایٹ
144	کوئن گینگ فیکٹری	1.2 ملین	جون 95	حمید مرزا
145	بولان ٹیکسٹائل لمیٹڈ	128.0 ملین	اکتوبر 05	صدیق انٹرپرائزز
146	نیشنل ٹیوب ویل کارپوریشن	18.6 ملین	ستمبر 99	تھرواکشن
147	ڈیوٹی فری شاپ	12.5 ملین	ستمبر 99	ویٹ ہولڈنگ لمیٹڈ
148	ری پبلک موٹرز	6.3 ملین	نومبر 99	محمد مشتاق
149	ال ہارون بلڈنگ کراچی	110.0 ملین	ستمبر 02	ایل جی گروپ
150	انٹرنیشنل ایڈورٹائزنگ	5.0 ملین	اپریل 05	ای ایم جی
	نیوز پیپرز			
151	این پی ٹی بلڈنگ	185.0 ملین	اکتوبر 93	آرمی ویلفیئر ٹرسٹ

152	مشرق پشاور	26.0 ملین	جون 95	سید تاج میر شاہ
153	مشرق کوئٹہ	6.2 ملین	جنوری 96	ای ایم جی
154	مشرق کراچی	6.5 ملین	اگست 96	ای ایم جی
		270.4 ملین	ٹوٹل	
155	سی سیلز ہوٹل	190.9 ملین	جنوری 98	امپیریل بلڈرز
156	فیڈل لوٹیچر 1-4-	39.2 ملین	جنوری 99	حسین گلوبل ایسوسی ایٹس
157	ڈینز ہوٹل	364.0 ملین	دسمبر 99	شاہد گلوبل پائنرز
158	فلیٹیز ہوٹل لاہور	1,211.0 ملین	جولائی 04	جی 4 مارکیٹنگ
		1,805.1 ملین	ٹوٹل	
		2,227.9 ملین	ٹوٹل مسک	
		(1997+030-6-2006) 373,558.5	گرینڈ ٹوٹل	
159	جاویدان سیمنٹ	4316.0 ملین	ستمبر 05	حاجی غنی عباس اینڈ گروپ
160	بسلا ٹیکسٹائل ملز	156.0 ملین	جولائی 06	

پاکستان سٹیل ملز سکینڈل





خارجیت پسند	داخلیت پسند
1۔سوچتے رہنے سے زیادہ خارجی معاملات میں بہت زیادہ مصروف عمل رہتے ہیں۔	ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں غرق رہتے ہیں
2۔ہر کسی سے بہت جلدی گھل مل جاتے ہیں۔	2۔بہت کم دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔
3۔جذبات اور احساسات کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔	3۔جذبات اور احساسات کا خصوصاً زیادہ خیال کرتے ہیں۔
4۔اپنے خیالات کو تحریر کی بجائے عام بول چال کے ذریعے بہتر طور پر ظاہر کر سکتے ہیں۔	4۔بول چال کی بجائے تحریری طور پر اپنے خیالات کا بہتر اظہار کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔
5۔جلدی گھبراتے نہیں۔	5۔بہت جلد گھبرا جاتے ہیں۔
6۔عام حالات میں بہت کھل کر قہقہے لگانا پسند کرتے ہیں۔	6۔صرف چند مخصوص لوگوں سے کھل کر بات کرتے ہیں۔
7۔بے جھجک اور نڈر ہوتے ہیں۔	7۔حجاب پسند اور شرمیلے ہوتے ہیں۔
8۔محفلوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔	8۔تنہا رہنا ان کو مرغوب ہوتا ہے۔
9۔اپنی بات پر ڈٹ نہیں جاتے، مگر دوسروں کی بات پر بھی کم دھیان دیتے ہیں، کج بحثی نہیں کرتے۔	9۔دوسروں کی بات پر خاص دھیان دیتے ہیں۔ بحث اور دلیل میں آگے آگے ہوتے ہیں۔
10۔بڑی بڑی باتیں برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔	10۔زود رنج ہوتے ہیں یعنی جلد ناراض ہو جاتے ہیں۔
11۔ہر وقت باہر کی محفلوں میں رہنا ان کو پسند ہے۔	11۔اپنے کمرے میں گھسے رہتے ہیں اور کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ یا اپنے مشاغل میں ہی اپنے آپ کو الجھائے رکھتے ہیں۔
12۔ایسے لوگ دوست بہت زیادہ بناتے ہیں۔	12۔زیادہ دوست بنانے سے گریز کرتے ہیں۔
13۔عام طور پر بہت جلد باز ہوتے ہیں۔ ہنگامہ پسندی ان کی فطرت ہوتی ہے۔	13۔ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہلڑ بازی سے گھبراتے ہیں۔

یہاں میں یہ بھی عرض کروں گا کہ یہ بات ضروری نہیں کہ ہر داخلیت پسند میں جرات کی کمی بھی ہو۔ پھر بھی یہ بات لازم ہے کہ ان لوگوں کی تعداد خارجیت پسندوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ جن لوگوں میں جرات کا فقدان ہوتا ہے۔ ان کو کئی قسم کی خواہشیں گھیرے رہتی ہیں۔ لیکن ان کا برملا اظہار کرنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کے دلوں میں خود اعتمادی پر سکون اور ہشاش بشاش رہنے کی خواہش مچلتی رہتی ہیں اور مچل مچل کر دم توڑ جاتی ہیں۔ کیونکہ ان آرزوؤں اور تمناؤں کے خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوتے۔ ایسا بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کو دوسرے لوگوں کی حالت دیکھ کر رشک آتا ہے لیکن ان کو اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا۔

ایک ماہر نفسیات نے ایک عرصہ تک اس بیماری کے علاج اور حل پر تحقیق جاری رکھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جرات کی کمی یعنی خود اعتمادی کی کمی کے شکار لوگوں کو یہ بیماری ان کے بچپن ہی سے لاحق ہو گئی تھی۔ اسکی خاص وجہ بچپن میں والدین کی لاپرواہی کو بیان کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے وہ لوگ مکمل انسان نہیں بن سکے۔ کسی بچے کیلئے اسکے بچپن کے زمانے کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اسی دور میں کسی بچے کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے والدین کی محبت اور شفقت کی بدولت اپنے آپ سے آگاہ ہوتا ہے اور وہ یہ جان جاتا ہے کہ وہ ایک مکمل وجود کا مالک ہے اور اسے دوسروں کی طرح خوش باش آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا پورا پورا حق ہے۔

یہ ان بچوں کی بدقسمتی ہوتی ہے۔ جن کے والدین ان کی درست پرورش نہیں کرتے۔ ان کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے بچوں میں خود اعتمادی کی ٹھیک ٹھیک پرورش نہیں ہوتی۔ جبکہ ایسے والدین ہر وقت بچوں کو کوسنے دیتے رہتے ہیں کہ بچہ تو بالکل بدھو ہے۔ نکما ہے' پاگل ہے' نیز ہر وقت اپنے بچوں کو ڈانٹتے اور ٹوکتے رہتے ہیں۔ اگر ان کا بچہ فطری تجسس کے تحت ان سے کوئی سوال پوچھتا ہے تو ماں باپ بچے کو تسلی بخش جواب دینے کی بجائے جھڑک دیتے ہیں۔ ایسا رویہ اپنے والدین کی طرف سے دیکھ کر بچہ اپنے ننھے سے دل میں ایک انجانا سا خوف محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انکے والدین ایسی رائے رکھتے ہوں۔ یعنی وہ نکما بدھو اور پاگل ہے۔ وہ کوئی بھی کام ٹھیک طور پر نہیں کر سکتے اور ایسے بچے ایک بے یقینی کا شکار ہو جاتے ہیں اور زندگی بھر اپنے حقوق یعنی حوصلۂ جرات اور خود اعتمادی جیسی انمول نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں

۔ وہ دوسروں کو ہی اپنی تکمیل کا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں۔

ایسے ہی بچے جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں کئی قسم کی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر بھی کوئی کام سرانجام دیتے ہوئے ان کے اندر ایک انجانا سا خوف آیا رہتا ہے۔ جیسے فلاں حرکت سے کوئی ان کی دل شکنی نہ کرے یا ہوسکتا ہے کہ میرا کوئی کام دوسروں کو اچھا نہ لگے اور اگر وہ کسی محفل میں جائیں تو لوگ ان کا مذاق نہ اڑائیں۔ اس طرح کے وسوسے ان کی ذہنی پریشانیوں اور الجھنوں میں اور زیادہ اضافہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کوئی معمولی سا کام بھی احسن طریقہ سے انجام نہیں دے سکتے۔ ان میں جرات کی حالت بالکل ریت کی دیوار کی مانند ہوتی ہے' جو ذرا سی تیز ہوا سے اڑ جاتی ہے۔

اپنے اندر جرات مندی پیدا کریں:

زندگی کے میدان کارزار میں اکثر ناکامیوں کی وجہ جرات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر آپ کامیابی کے تمنائی ہیں تو اپنے اندر جذبہ جرات پیدا کریں۔ اس کے لئے درج ذیل طریقوں کا استعمال سودمند ہوسکتا ہے۔

1۔ اپنے اوپر ہپناٹائز کا عمل کرنا سیکھیں۔ جرات پیدا کرنے میں کافی معاون ثابت ہوگا۔

2۔ ہر وقت اپنے ذہن میں یہ خیال رکھیں کہ آپ مکمل انسان ہیں اور دوسروں کی طرح اہم بھی۔

3۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا بچپن تکلیف دہ گزرا ہو۔ اب اسے بھول جائیں' کیونکہ تکلیف کا زمانہ گزر گیا ہے۔ اب آپ جوان ہیں' کوئی آپ کو روک ٹوک نہیں کرے گا۔ آپ کی یہ سوچ بھی غلط ہے کہ آپ میں کسی قسم کی کوئی کمی ہے۔ دنیا میں بے شمار انسان آپ سے بھی گئے گزرے ہوں گے۔ آپ جسمانی اور ذہنی طور پر ہزاروں انسانوں سے بہتر ہیں۔ احساس کمتری کو قریب نہ آنے دیں۔

4۔ اپنی قابلیت اور صلاحیت پر فخر کرنا سیکھیں۔ اپنی کمزوریوں کو بھی تہہ دل

سے تسلیم کریں۔آپ میں خدا نے سینکڑوں خوبیاں بھی تو پیدا کردی ہیں۔ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں' جو آپ کی خوبیوں جیسی خوبیوں کے حصول کے لئے ترستے ہیں۔اپنی ان خوبیوں سے مقدور بر فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگے رہیں۔

5۔ آپ جو کچھ ہیں۔اپنے آپ کو وہی کچھ سمجھیں۔فضول قسم کی بناوٹ اور مصنوعیت سے بچیں۔کیونکہ مصنوعیت کا نتیجہ بسا اوقات الٹا نکلتا ہے اور انسان اپنے شکنجے میں خود پھنس جاتا ہے۔

6۔ اپنے آپ سے محبت کیجئے۔اپنے آپ کو قبول کیجئے۔ ہر وقت ہشاش بشاش رہئے۔

7۔ اس بات کو بالکل ذہن میں نہ لائیں کہ کوئی آپ کا مذاق اڑاتا ہے یا نکتہ چینی کرتا ہے۔کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ آپ کے متعلق ہی سوچتا رہے۔اپنا سر ہمیشہ بلند رکھیں۔بہت جلد آپ کو یہ احساس ہو جائے گا کہ آپ میں جرات کی کوئی کمی نہیں ہے۔

گفتگو کا فن:

ملک چین کی ایک مشہور کہاوت ہے کہ "جو شخص خوش اخلاق نہیں۔اس کو دکان نہیں کھولنی چاہیے۔میں نے "گفتگو کا فن" کے موضوع پر ایک پوری کتاب لکھی ہے۔اگر آپ کو میسر آجائے تو اس کا مطالعہ ضرور کریں۔یہاں میں اس کتاب کا خلاصہ اس لئے تحریر کر رہا ہوں کہ آپ بھی اس فن گفتگو میں مہارت حاصل کر سکیں۔

آپ روزانہ سینکڑوں انسانوں سے ملتے اور بات چیت کرتے ہیں۔لیکن ان میں سے بمشکل چند ہی ایسے ہوتے ہوں گے' جو گفتگو کا فن جانتے ہوں گے۔ورنہ عام بول چال تو ہر آدمی کرتا ہے۔گفتگو کرنا بھی ایک فن ہے اور یہ فن کسی انسان کی کامیابی اور کامرانی میں بہت زیادہ کردار ادا کرتا ہے۔ایک ایسا شخص جو کھڑا ہے۔گفتگو کرنے کے انداز سے کورا ہے۔وہ چاہے کتنا ہی خوبصورت ہو' عمدہ لباس زیب تن کر کے جاذب نظر بھی بن جائے، لیکن جب بھی وہ اپنی زبان کھولے گا۔اس کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

فن گفتگو کے چند آسان گر یہ ہیں۔

1۔ جب بھی آپ گفتگو کریں۔آپ کے لہجہ میں اعتماد ہونا چاہیئے۔اگر آپ کے مد مقابل کو آپ کی بے اعتمادی کا پتہ لگ جائے تو' اس پر آپ کا بالکل اثر نہیں پڑے گا۔

2۔ ہمیشہ ایسے لہجہ میں بات کی جائے کہ مخاطب آپ کا پورا مطلب سمجھ جائے۔

3۔ بات کرتے وقت اپنا لہجہ اور زبان سادہ اور عام فہم رکھیں۔ایسا نہ ہو کہ آپ مخاطب پر اپنی علمیت کا رعب ڈالنے لگ جائیں۔ہمیشہ بات آہستہ آہستہ اور دھیمی رفتار میں کریں نہ کہ تیز رفتار بن جائیں۔بہت زیادہ سستی سے بھی گفتگو نہ کریں۔اس طرح آپ کی بات کو سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔اگر دھیمی آواز رکھیں گے تو سننے والے کو ناگوار نا گزرے گی۔بصورت دیگر آپ کی بات کا نتیجہ صفر ہی نکلے گا۔

4۔ گفتگو کرنے کے انداز میں چہرے کے تاثرات کا بھی اہم رول ہوتا ہے۔جب بھی بات کریں۔آپ کے چہر پر خفگی نہ آنے پائے بلکہ ہر وقت ملائمت ٹپکتی رہے۔ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ آپ بات تو ملائمت سے کر رہے ہوں' لیکن آپ کے چہرے سے کچھ اور ہی ظاہر ہو رہا ہو۔

5۔ فن گفتگو کی ایک خوبی اچھا سامع ہونا بھی ہے۔آپ دوروں کی بات اس طور سنیں کہ بات کرنے والے کو یہ احساس ہو کہ آپ اس کی بات نہ صرف سن رہے ہیں' بلکہ اس کو اچھی طرح سمجھ بھی رہے ہیں اور یہ کہ آپ کو موضوع سے بھی خاص دلچپسی ہے۔بات کرنے والے کو یہ قطعاً محسوس نہ ہونے دیں کہ آپ اس کی بات میں مکمل دلچپسی نہیں لے رہے ہیں۔

یہ بات اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ بات کرنے والا کوئی بات کر رہا ہوتا ہے لیکن سامع اس کی بات کو کاٹتے ہوئے اپنی رام کہانی شروع کر دیتا ہے۔یہ انداز گفتگو کسی طور اچھا نہیں ہے۔اگر کسی مجلس میں تشریف رکھتے ہیں' تو شمع محفل بننے کی کوشش نہ کریں اور نہ ہی بڑ ہانکیں۔مسکراہٹ ایک خدائی عطیہ ہے۔اس پر انسان کا کچھ بھی خرچ نہیں آتا لیکن اس میں جادوئی اثر ہے جو بڑی دیر تک قائم رہتا ہے۔ہمیشہ مسکرا مسکرا کر بات کریں۔جب کسی سے ملیں تو بھی مسکرا کر ملیں۔

مندرجہ بالا طریقوں پر عمل کرنا بھی کوئی مشکل نہیں۔ بس تھوڑی سی مشق کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ مشق بھی بہت ہی آسان طریقے سے کی جاسکتی ہے۔

کسی ایسی جگہ پر ایک آئینہ لیکر کھڑے ہو جائیں۔ آئینہ سامنے رکھ کر باتیں کرنا شروع کردیں۔ بات بھی کرتے جائیں اور آئینہ میں عکس بھی دیکھتے جائیں۔ اس طرح آپ کو پتہ چلتا جائے گا کہ آپ کے چہرے کے تاثرات کیسے ہوتے ہیں۔ گوایسا کرنا آپ کو فی الوقت ایک بے وقوفانہ عمل معلوم ہوگا۔ تاہم اتنا ضرور ہوگا کہ آپ بہت جلد اس مشق کے فوائد کو تسلیم کرنے لگیں گے۔ ایک کوشش یہ بھی کریں کہ اپنے مخاطب کو اس کا نام لیکر پکاریں، کیونکہ ہر شخص کسی کی زبان سے اپنا نام سننا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اگر آپ کسی کو پہلی مرتبہ ملیں تو مناسب ہے کہ اُس کا نام لکھ لیں۔ اس طرح کرنے سے جب اس سے آپ کی دوبارہ ملاقات ہو تو آپ اس کا نام لیکر پکاریں گے۔ ایسا کرنے کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

جب کوئی شخص آپ کو اپنی بات سنا رہا ہو، تو آپ کا فرض ہے کہ اس کی بات پوری توجہ دیکر سنیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تو بات کرتا رہے اور آپ کا دھیان کسی اور طرف ہو یا آپ کسی کھڑکی کی طرف دیکھتے رہیں یا پھر منہ پھیر کر میز پر طبلہ ہی بجاتے رہیں۔ آپ کا یہ عمل بات کرنے والے کو برا محسوس ہوگا اور اسے یہ احساس ہو جائے گا کہ آپ اس کی بات توجہ سے نہیں سن رہے ہیں۔ جبکہ عقل مند لوگ ہمیں یہ مشورہ دیتے ہیں کہ دوسروں کی بات پوری توجہ سے سنیں۔ جب کوئی بات کر رہا ہو تو آپ چوکنے ہو کر بیٹھ جائیں اور اپنے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے یہ ظاہر کریں کہ آپ اس کی بات نہ صرف سن رہے ہیں، بلکہ پوری طرح سمجھ بھی رہے ہیں۔ جب آپ کسی کی بات سن رہے ہوں تو درمیان میں چھوٹے چھوٹے سوال بھی پوچھتے رہیں۔ اس طرح دوسرے کو تسلی ہو جائے گی کہ آپ اس کی بات میں دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ البتہ ایسے سوال ہرگز نہ پوچھیں جن کا تعلق ذاتی نوعیت سے ہو یا وہ ان سوالوں کا جواب دینا گوارہ نہ کرے۔ گفتگو کرتے ہوئے کسی کی عیب جوئی نہ کریں، بلکہ اس کی خوبیوں پر نظر رکھیں۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ ”عیب جوئی سے آسان تر کوئی کام نہیں، کیونکہ اس کام کے لئے حکمت، ذہانت یا قابلیت وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔“

کہیں آپ بھی ایسا کرنا شروع نہ کردیں، کیونکہ یہ آسان کام ہے۔ اگر آپ کسی کی عیب جوئی کریں گے تو اس سے آپ کا اعتماد آئندہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح گپ بازی اور شیخی بگھارتے رہنے سے بھی اعتماد جاتا رہتا ہے۔ لوگ آپ کی سچی باتوں کو بھی صرف گپ ہی سمجھنے پر اکتفا کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایسی عادت بد کا شکار وہی لوگ زیادہ ہوتے ہیں، جو احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ مشہور مصنف ”گارڈن بائرن“ نے گپ باز کے لئے ایک انمول اصول بیان کیا ہے کہ وہ جب بھی گپ مارنے لگے تو اپنے آپ سے درج ذیل تین سوال ضرور کرے۔

1۔ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں، کیا وہ صحیح بھی ہے؟

2۔ اس کا دہرانا کہاں تک ضروری ہے؟

3۔ اگر بات کا دہرانا ٹھیک ہے تو کیا اسکے دہرانے سے فائدہ بھی پہنچے گا؟

اگر گپ باز گپ مارنے سے پہلے مندرجہ بالا تینوں سوال اپنے آپ سے کرلیا کرے تو یقین کریں بہت کم باتیں ایسی رہ جائیں گی، جن کو دہرانے کی ضرورت محسوس ہو۔

ایک اور ”مفکر“ نے کیا خوب بات سمجھائی ہے کہ ”بہت سے لوگ اسی لئے ناکام ہو جاتے ہیں کہ وہ جب بات کر رہے ہوتے ہیں تو اپنے کانوں کو کھلا رکھنے کی بجائے اس وقت کے منتظر رہتے ہیں کہ انہیں کب بات کرنے کا موقع ہاتھ آئے گا۔“

اگر ہم اس لفظ ”کب بولنے کا موقع ملے“ پر غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے تعلقات کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بارے بات کرنا ہی پسند کرتا ہے۔ اس کی ہر لمحہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ بولتا رہے اور دوسرے لوگ سنتے رہیں۔ ایسے لوگوں کو بات کے درمیان کسی اور کے بول اٹھنے سے سخت اذیت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ دوسرے نہ صرف ان کی باتیں سنیں بلکہ اس میں دلچسپی کا اظہار بھی کریں۔

اگر آپ تعلقات میں اضافہ چاہتے ہیں تو ایک بات غور سے سن کر اپنے ذہن میں محفوظ کرلیں، وہ بات یہ ہے۔ ”دوسروں سے ان کی باتیں غور سے سنیں۔ اگر خود بات کرنا چاہتے ہیں، تو صرف ان کی دلچسپی کی باتیں ہی انہیں سنائیں۔ ان کی خواہشات کا احترام بھی کریں اور ان کو اولیت بھی دیں۔ ایسا کرنے سے بہت جلد آپ کو محسوس ہونے لگے گا کہ لوگ خود آپ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔“

تعلقات پیدا کرنے اور بڑھانے کا فن

ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ تعلقات پیدا کرنے اور بڑھانے سے کامیابی کے حصول میں بھی کافی زیادہ مدد ملتی ہے۔ کیونکہ آپ اپنے دوست احباب سے بہت زیادہ مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے دوست نہیں بنائے جاتے۔ اگر آپ کے پیش نظر یہ مقصد ہوگا تو اس کا حتمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جونہی آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا تو آپ اپنے ان دوستوں سے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں گے۔

انسان کو ایک معاشرتی حیوان ہونے کے ناطے بھی دوستوں کی ضرورت رہتی ہے اور چند ایسے احباب کی ضرورت بھی رہتی ہے جو دکھ سکھ میں مدد کر سکیں۔ جن سے ہم اپنا دکھ بانٹ سکیں اور ان سے مفید مشورہ حاصل کر سکیں۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ وقت پڑنے پر آپ کو بھی دوستوں کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ آپ تو ان سے مدد حاصل کریں اور یہ توقع نہ رکھیں کہ ان کو آپ کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ بہتر تعلقات تب ہی قائم ہو سکتے ہیں، جب دونوں طرف خلوص کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول ہمیشہ کاربند ہیں۔ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ جس چیز کی توقع آپ اپنے دوستوں سے رکھتے ہیں۔ آپ خود بھی ان کو وہی کچھ دینے سے گریز نہ کریں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے احباب، آپ کا دکھ سکھ سنیں تو آپ بھی ان کے دکھ سکھ کی باتوں کو پورے غور اور توجہ سے سنیں۔

آپ کے لئے لازم ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں کم از کم ایک بار اپنا جائزہ ضرور لیں اور

دیکھیں کہ لوگوں کے ساتھ آپ کس طرح پیش آتے ہیں اور آپ اپنے آپ دوستوں اور ملنے والوں پر اپنی شخصیت کا کیسا تاثر چھوڑتے ہیں۔ اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ شکی مزاج ہوں اور ہر وقت دوسروں کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے ہوں یا آپ یہ خیال کرتے ہوں کہ آپ کے احباب آپ کو اچھا نہیں سمجھتے یا آپ کی عدم موجودگی میں آپ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ آپ کو ایسا ہرگز نہیں سوچنا چاہیے کیونکہ دیگر لوگ بھی صرف اپنے بارے سوچتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ آپ کے بارے یا دوسروں کے بارے کچھ سوچیں۔

میں یہ بات اوپر بیان کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں سے تعلقات بے لوث ہو کر پیدا کریں۔ ہمیشہ خود غرضی کی سوچ سے اجتناب کریں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت آپ کے احباب کے علم میں یہ بات آجائے کہ آپ تو مطلبی ہیں، تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ آپ کے دوست احباب آپ سے کنارہ کشی کر لیں گے اور آپ تنہا رہ جائیں گے۔

بہت زیادہ شرمیلا پن نہ صرف ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے، بلکہ دوست بنانے میں بھی ممد ثابت نہیں ہوتا۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ حد سے زیادہ شرمیلے ہوتے ہیں وہ کسی سے دوستی کرنے میں پہل کرنے سے گھبراتے ہیں۔ البتہ کوئی اور اس سلسلہ میں دوستی کا ہاتھ بڑھائے تو بھی شرمیلے لوگ ایک جھجک محسوس کرتے ہیں۔ دوست احباب بنانے میں جرات کا مظاہرہ ضروری ہے۔ بصورت دیگر آپ کا حلقہ احباب صرف چند نفوس تک محدود رہے گا۔ اس میدان میں قدم بڑھانے کے لئے کسی موقع کی تلاش میں رہنا فضول ہے۔ آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ موقع کسی کے دروازے تک خود پہنچا ہو۔ بلکہ موقع تو پیدا کئے جاتے ہیں۔ ایسی خاصیت بھی قدرت کسی کسی کو عطا کرتی ہے۔

ایک جیسے مشاغل رکھنے والوں یا ایک ہی قسم کا کاروبار کرنے والوں یا ایک جیسی دلچسپی رکھنے والوں میں دوستانہ مراسم بہت جلد قائم ہو جاتے ہیں۔ جب بھی آپ دوست بنانا شروع کریں تو ہمیشہ ان لوگوں سے رابطہ رکھیں۔ جن کے مشاغل، دلچسپیاں، کاروبار یا مزاج آپ سے مطابقت رکھتے ہوں۔ ایسے لوگوں سے آپ کے مراسم دیرپا ثابت ہوں گے۔ ایسے ہی دوستوں سے آپ اور آپ سے وہ دوست خوب فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے تجربات سے

بہت فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اپنے دوستوں سے کبھی بھی ان کی حیثیت سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں۔ مبادا آپ کی دوستی میں فرق آسکتا ہے۔ مجھے ایک عقل مند کا بہت ہی حسین قول یاد آرہا ہے کہ:

''دوست کو کبھی آزمانے کی کوشش نہ کریں۔ ممکن ہے کہ وہ کسی وجہ سے تمہاری آزمائش پر پورا نہ اتر سکے۔ لیکن اس کے نتیجہ میں آپ کے تعلقات ضرور کمزور ہو جائیں گے۔''

دوستی کی راہ میں ''اعتبار'' کی بھی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ جن لوگوں کو دوست بنانا چاہتے ہیں یا تعلقات استوار کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے ان کو مختلف طریقوں سے پرکھ کر یہ یقین کرلیں کہ ان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ہمیشہ دوست ان لوگوں کو بنائیں جو قابل اعتبار ہوں۔ جب ایک بار ان سے دوستی قائم ہو جائے تو پھر ان پر اعتبار کرتے رہیں۔ اگر کسی موقع پر آپ کے دل و دماغ میں ذرا برابر بھی شک آ گیا تو دوستی کی راہ میں خلیج واقع ہو جائے گی۔ دوستی کی بنیادوں میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔

دوستی کے معاملے میں عادات واطوار بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ جیسے وضع قطع اور چہرے کے اثرات کسی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح عادت اور طور طریقے بھی دوسروں پر اثر چھوڑتے ہیں۔ اگر کسی کی عادت میں بناوٹ کا عنصر شامل ہے تو یہ کسی وقت بھی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ اکثر اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی ملازمت کا متلاشی انٹرویو لینے والے کے سامنے اوورایکٹنگ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ کچھ بن کر دکھانے کی کوشش میں ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ ملازمت مل جانے کے بعد وہ کچھ بھی نہیں کر پاتے۔ اس طرح ان کی بناوٹ کی عادت انہیں ذریعہ روزگار سے بھی محروم کر دیتی ہے۔

اگر آپ کے طور طریقوں میں بناوٹ کی بجائے قدرتی پن ہوگا تو وہ قدرتی پن آپ کے مخاطب دیکھنے والوں پر مثبت اثر ڈالے گا۔ یہ بات عام طور پر دیکھنے آئی ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ اپنی گفتگو میں دیگر زبانوں کے الفاظ بکثرت استعمال کرتا ہے اور اب تو ہمارا باشعور طبقہ یعنی ادھیڑ عمر لوگ بھی بے دھڑک انگریزی الفاظ اپنی بات چیت میں استعمال کر جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا خیال ہو کہ ایسا کرنے سے ان کی انگریزی دانی کا رعب اپنے مدمقابل پر پڑے گا۔ جبکہ

ہوتا یہ ہے کہ وہ اگر کبھی غلط الفاظ اور غلط موقع پر دیگر زبان کے الفاظ بول جاتے ہیں تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔

ہمیشہ یہ کوشش کریں کہ دوران گفتگو وہ زبان استعمال کریں جس پر آپ کو مکمل عبور حاصل ہو' نیز اگر آپ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں تو اپنے علاقے کی زبان بھی صرف اپنے علاقہ کے لوگوں سے بولیں اس طرح آپ بلاتکلف بات کرسکیں گے۔ خواہ مخواہ دوسری زبانوں کے چکر میں نہ پڑیں۔ جب آپ اپنی زبان میں بات کرتے ہیں تو آپ کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ آپ کا مخاطب آپ کی بات نہیں سمجھ رہا۔ نیز اپنی زبان میں آپ اپنا مافی الضمیر بھی آسانی کے ساتھ واضح کرسکتے ہیں۔ جبکہ اپنی زبان کی بجائے دوسری زبانوں میں بات کرنا ایسے لگتا ہے کہ آپ لاف زنی کر رہے ہیں یا جھوٹ کا کھارا لے رہے ہیں۔

اسی طرح بات چیت کرتے ہوئے بڑی بڑی ڈینگیں مارنا' اوورایکٹنگ کرنا یا شیخی بگھارنا اخلاقی طور پر بھی بہت معیوب ہے اور اگر آپ کے سامع کو اس بات کا علم ہو جائے تو وہ آپ کی سچی باتوں پر بھی کان نہیں دھرے گا۔

جب آپ کسی کے آمنے سامنے بیٹھے بات چیت کر رہے ہوں تو اپنے آپ کو بہتر سامع (سننے والا) ثابت کریں۔ دوسروں کے دکھ سکھ کو بڑے غور سے سنتے رہیں اور گاہے گاہے کوئی نہ کوئی سوال بھی کرتے جائیں۔ اس سے آپ کے مخاطب پر بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔ اسے اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ آپ اس کی باتیں بڑے انہماک اور توجہ سے سن رہے ہیں۔ اس طرح وہ آپ کو اپنا ہمدرد سمجھے گا نہ کہ آپ اپنی ہی کتھا کہانی سنانے کے جوش میں محفل پر چھا جانے کی کوشش کریں' ایسا کرنے سے آپ کے اچھے تعلقات بھی خراب ہو جانے کا خطرہ رہے گا۔

ہمیشہ بات کرتے ہوئے اپنے چہرے پر بشاشت قائم رکھیں۔ اگر آپکے چہرے سے غم اور درد کے تاثرات ظاہر ہوں گے تو یہ کبھی نہیں ہوگا کہ لوگ آپ کے گرد جمع ہوں بلکہ جو چند احباب پہلے سے بیٹھے ہوں گے وہ بھی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر بھاگ جانے کی تگ ودو کریں گے۔ کیونکہ رونی صورت کسی کو بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ مسکراتے چہرے دیکھتے رہیں اور مسکرانے والے چہروں کو ہی دنیا والے پسند کرتے ہیں۔ آج کے مصروف دور میں کسی کو اتنی

فرصت کہاں کہ وہ دوسروں کے دکھڑے سنتے رہیں یا ان کی رونی شکل وصورت دیکھتے رہیں۔ دنیا والوں کا یہ خیال ہے کہ کسی کو مغموم دیکھ کر انسان خود بھی مغموم ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کا وقت اچھا نہیں گزرتا۔

اب یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کا مسکراتا اور خوشیوں بھرا چہرہ لیکر دنیا والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں گے یا منہ بسورے اور رونی شکل بنا کر اپنے احباب کو بھاگنے اور دور رہنے پر آمادہ کرنا چاہیں گے۔

ایک اچھے دوست کی پہچان کے لئے اردو کی مشہور مثل پیش ہے۔

''دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔''

مستقل مزاجی، لگاتار محنت

مشہور فاتح امیر تیمور کو جب زندگی کی پہلی شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا، تو وہ دل گرفتہ ہو کر ایک پرانے کھنڈر میں چھپ کر جا بیٹھا اور اپنی ناکامی پر غور کرنا شروع کیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ننھی چیونٹی ایک گندم کا دانہ لیکر دیوار پر چڑھتی ہے، مگر گر جاتی ہے۔ پھر کوشش کر کے سنبھلتی ہے اور اوپر جانے کی کوشش کرتی ہے، پھر گر جاتی ہے، امیر تیمور نے چیونٹی کے اس عمل کو بڑے غور اور سنجیدگی سے دیکھنا شروع کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ننھی سے مخلوق انہتر بار چڑھی اور گری۔ مگر سترویں بار وہ دانہ کو اپنے ٹھکانا پر لے جانے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ دانہ گندم چیونٹی کی جسامت سے کئی گنا بھاری تھا۔ امیر تیمور نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ ننھی چیونٹی بار بار گرنے اور ناکام ہونے سے مایوس نہیں ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ میں تو ایک مشہور فاتح ہوں، صرف ایک بار کی شکست سے رنجیدہ خاطر ہو گیا ہوں۔ مجھے اٹھنا چاہیے اور امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس نے مستقل مزاجی کا سہارا لیا اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اسے زندگی میں آئندہ کبھی شکست کا سامنا نہیں ہوا۔ اس نے دنیا والوں کو بھی یہی سبق دیا کہ زندگی میں کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لئے مستقل مزاجی ضروری ہے۔

یہی بات شیکسپئر نے بھی کہی ہے ''جس کام کو مکمل کرنے کا تم نے ارادہ کر لیا ہے، شکست اور ناکامی کے باوجود اسے ادھورا نہ چھوڑیئے۔''

ایسا ہی ایک واقعہ مشہور عالم لغت کے مولف ڈلینل ویبسٹر سے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق مشہور لغت ''ویبسٹر انگلش ڈکشنری'' سے پہلے کے زمانہ سے ہے۔ ڈینئل اپنی اوائل عمر میں نہایت کند ذہن اور کمزور نحیف سا لڑکا تھا۔ جب اسے حصول تعلیم کے لئے ہمشائر بھجوایا گیا تو وہ وہاں سے بہت جلد واپس لوٹ آیا۔ واپسی میں دوران راہ اسے ایک پڑوسی نے گریہ زاری کرتے دیکھ کر وجہ معلوم کرنا چاہی تو اسے جواب ملا کہ میں بڑا عالم نہیں بن سکتا۔ میں جماعت میں بھی سب سے آخر میں بیٹھتا ہوں۔ میرے ہم جماعت اکثر و بیشتر میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسی لئے میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اب پڑھنے نہیں جاؤں گا۔ اس کے نیک دل پڑوسی نے اس کی ڈھارس بندھائی اور یہ حوصلہ دیکر پڑھنے پر راضی کیا کہ ''تم ضرور بڑے عالم بنو گے' محنت سے کام لو' دل لگا کر پڑھو' کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔'' خدا معلوم ان الفاظ میں کیا جادو تھا کہ ویبسٹر کی سمجھ میں پڑوسی کی باتیں آگئیں اور اس نے پڑوسی کا مشورہ مان کر دل لگا کر پڑھنا شروع کیا اور مستقل مزاجی سے اپنے مقصد کے لئے کوشاں رہا اور آخر کار اس کا شمار دنیا کے مشہور زمانہ علماء میں ہونے لگ گیا۔

عظیم ناول نگار میکسم گورکی سے کون واقف نہیں۔ اس کا تعلق روس سے تھا اور یہ ان پڑھ تھا۔ تلاش روزگار کے سلسلہ میں ایک بحری جہاز پر مزدور کی حیثیت سے ملازم ہوگیا۔ اس نے اپنے ساتھ کام کرنے والوں سے تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا سیکھا۔ کچھ عرصہ بعد نمک کی کان میں مزدوری کرنا شروع کی۔ اس کے ذہن پر پڑھنے کی دھن سوار تھی۔ یہاں بھی وہ اپنے شوق کی تکمیل میں بڑی مستقل مزاجی سے لگا رہا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر ادیب بنے گا اور پھر اپنے قلم کی طاقت سے معاشرے میں موجود ظلم' ناانصافی کے خلاف جہاد کرے گا۔ آج کے علم و ادب سے شغف رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ اسی میکسم گورکی کا ناول ''ماں'' دنیا کے چند گنے چنے ناولوں میں شمار ہوتا ہے اور انقلاب روس میں اس ناول نے بھرپور کردار ادا کیا۔ سچ ہے کہ اگر انسان مسلسل محنت اور مستقل مزاجی سے کام لے تو اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

ایسے ہی ایک واقعہ کا تعلق مشہور زمانہ رسالہ ''ریڈرز ڈائجسٹ'' کے مالک میاں بیوی سے ہے۔ کہتے ہیں کہ اس رسالہ کی اشاعت میں اس کے مالک ڈیوٹ ویلس اور اس کی باہمت بیوی

نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مستقل مزاجی سے لگاتار محنت کی۔ پہلے پہل انہوں نے ایک گیراج میں اپنا دفتر قائم کیا اور رسالہ کی ابتدائی اشاعت صرف پانچ سو سے شروع کی۔ انہوں نے انتھک محنت سے کام کیا۔ آج دنیا میں چھپنے والے تمام ڈائجسٹوں سے ''ریڈرز ڈائجسٹ'' زیادہ چھپ کر فروخت ہوتا ہے۔''

ایسی ہی ایک مثال دو بھائیوں ارول رائٹ اور ولبرٹ رائٹ کی ہے۔ جن کے دل میں ایسی لگن تھی کہ وہ سفر کو آسان سے آسان بنائیں گے۔ ان دونوں بھائیوں نے دن رات محنت کی۔ کسی سے داد کی خواہش بھی نہ کی۔ نہ یہ اتنے امیر تھے کہ گھر بیٹھ کر اپنے مقصد کے حصول کی خاطر کام کرتے رہیں۔ انہوں نے مختلف جگہوں پر محنت مزدوری بھی کی۔ ایک ہڈیوں کے کارخانہ میں کام کیا۔ سائیکلوں کی خرید و فروخت اور مرمت کا کام کیا۔ اس طرح جو کچھ کماتے' اپنے تجربات کی نذر کر دیتے۔ انجام کار انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی اور انہوں نے وہ چیز ایجاد کرلی' یعنی جہاز' جس کے ذریعے ہم ہفتوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں بآسانی طے کر لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ ان کی انتھک محنت اور مستقل مزاجی سے کام میں لگے رہنے کا ثمر ہے کہ انہوں نے دنیا ہی کی تاریخ ہی بدل ڈالی۔

اگر ہم اپنے مقصد کے حصول میں دلجوئی اور مستقل مزاجی سے کام نہ لیتے تو نہ آج یہ جہاز ہوتے' نہ سفری سہولت اور نہ ہی ہمارا نام بلند ہوتا۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے راستے کی مشکلات اور ناکامیوں سے کبھی نہ گھبرائے' کیونکہ مشکل وقت میں حوصلہ ہار جانا جوانمردوں کا شیوا نہیں۔ اگر آپ کامیابی اور کامرانی کے تمنائی ہیں' تو دن رات مستقل مزاجی سے محنت کرتے رہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک دن آپ کو کامیابی حاصل نہ ہو۔

''ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا''

ہمارے سامنے مشہور ملاح کولمبس کی مہم جوئی کی مثال موجود ہے' جس نے اپنے استقلال اور حوصلہ سے کام لیا۔ وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا۔ مگر بے کراں سمندر کی وسعتوں میں گم ہو کر امریکہ جا پہنچا۔ اس طرح ایک ملاح کی جوانمردی' مستقل مزاجی اور محنت شاقہ نے نیا

والوں کو ایک اور بر اعظم سے متعارف کرایا۔ مسلمان دانشور کا قول بھی ہمارے سامنے ہے جس کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا ان کی مدد کرتا ہے' جو اپنی قوت بازو اور حوصلہ سے کام لیکر کسی کام کے انجام دینے کا بیڑا اٹھاتے ہیں۔ اس قول کے الفاظ یہ ہیں۔

''ہمت مرداں مدد خدا''

بخاری، طارق اقبال ان اور ایس ای سی پی کے سربراہ طارق حسن کو طلب کیا اور اُن سے کراچی سٹاک ایکسچینج کو اس بحران سے نکالنے کے لئے رائے طلب کی لیکن یہ ذمہ دار بھی کوئی ایسا حل پیش نہیں کر سکے جو چھوٹے سرمایہ کاروں کے حالات کو بہتر بناتے ہوئے انہیں مطمئن کر پاتا۔

شوکت عزیز کے اقتصادی مشیر ڈاکٹر سلمان شاہ نے تسلیم کیا کہ اس کریش میں 13 ارب ڈالر (780 ارب روپے) کا نقصان ہوا۔ آزاد ذرائع کا تخمینہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

کاروبار میں مندی، تیزی اور نفع و نقصان معمول کی چیزیں ہیں۔ فطری عوامل کاروبار کو مثبت یا منفی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ لیکن کراچی اسٹاک ایکسچینج کا یہ کریش فطری عوامل کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک مافیا کی لوٹ مار کے طے شدہ پروگرام کے عین مطابق پیدا کیا گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ اس سکینڈل کی بابت تفصیلات سامنے لائی جائیں، یہاں پہلے اس سٹاک ایکسچینج مافیا کے بارے میں کچھ بتا دیا جائے جس نے یہ سکینڈل پیدا کیا اور اربوں روپے اپنی جیبوں میں ڈالے۔

سٹاک ایکسچینج مافیا:

سٹاک ایکسچینج مافیا کراچی سٹاک ایکسچینج میں کام کرنے والے بروکروں کا ایک گروہ ہے جس کا کام چھوٹے سرمایہ کاروں کی جیبوں کو خالی کروا کر اپنا پیٹ بھرنا ہے۔ ویسے تو کراچی اسٹاک ایکسچینج میں 200 کے قریب بروکرز رجسٹرڈ ہیں لیکن ان میں سے 156 فعال ہیں۔ ان میں سے بھی 15 بروکرز کو طاقتور اور بااثر سمجھا جاتا ہے۔ ان میں سے 5 بروکرز اتنے بااثر اور بڑے ہیں کہ وہ ملک کی اس سب سے بڑی اسٹاک ایکسچینج کے 80 فیصد بزنس کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اگر ان بروکرز کی تعداد 20 کر لی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ 20 بروکرز مجموعی طور پر کراچی سٹاک ایکسچینج کے 90 فیصد سے زیادہ بزنس کو کنٹرول کرتے ہیں۔

بروکر کا بنیادی کام سرمایہ کاروں کیلئے حصص خریدنا اور فروخت کرنا ہوتا ہے۔ یہ خدمت مہیا کرنے کیلئے وہ اپنی کمیشن لیتے ہیں لیکن کراچی اسٹاک ایکسچینج کے بروکرز غیر قانونی طور پر بذات

خود ہی حصص خریدتے اور فروخت کرتے ہیں۔ دیگر تمام شعبوں کی طرح کراچی سٹاک ایکسچینج میں بھی بروکرز کے گروپس کام کرتے ہیں۔ بروکرز کے یہ گروپس اپنی ساری صلاحیتیں ملکی معیشت میں مثبت کردار ادا کرنے کی بجائے مال بنانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ مال بنانے کیلئے وہ قانون، اصولوں اور ضابطوں کی کھلی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں اور چھوٹے سرمایہ کاروں کے علاوہ ملکی مفادات کو بھی اپنے مفاد کی بھینٹ چڑھانے سے دریغ نہیں کرتے۔ چونکہ اُن کے پاس سرمایہ موجود ہوتا ہے اس لئے وہ سرمائے کے بل بوتے پر سمجھتے ہیں کہ وہ جتنی چاہیں قانون شکنی کریں، اخلاقی اقدار کی پامالی کریں اور مکاری دکھائیں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہ لوٹ مار کا کھیل کھل کر کھیلتے ہیں اور انہیں کسی کا ڈر بھی نہیں ہوتا۔

ان بروکروں کو اس لئے کسی قانون کا ڈر نہیں ہوتا کہ ان بروکروں کے لئے جو قاعدے قانون بنائے گئے ہیں ان کے تحت مالی قوانین اور ضابطوں کے مطابق خلاف ورزی کرنے والے کو قید یا بھاری جرمانے کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ قانون شکنی کے مرتکب افراد پر زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپے جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے یا ایک ہفتے کیلئے اُن کا دلالی کا لائسنس معطل کیا جا سکتا ہے۔ یہ بروکرز چاہے جتنے بھی بے خوف کیوں نہ ہوں، انہیں اس بات کا خوف بہرحال رہتا ہے کہ ان کے خلاف کہیں ایسی قانون سازی نہ ہو جائے جس سے ان کے مفادات کو زک لگے۔ اسی لئے دیگر شعبوں کی طرح یہ بروکرز بھی کوشش کرتے ہیں کہ اعلیٰ ترین حکومتی شخصیات یا حکومتی شخصیات پر اثر انداز ہونے والوں کو اپنا سرپرست بنایا جائے۔ اس طرح وہ احتساب کے خوف سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اس طرح لوٹ مار کے باہمی پروگرام میں دونوں لٹیرے ایک دوسرے کے مددگار بن جاتے ہیں۔

اعلیٰ ترین حکومتی شخصیات اور بروکروں کا یہ اتحاد ہے جسے اسٹاک ایکسچینج مافیا کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ مافیا کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ ان کا ایمان صرف اور صرف پیسہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ جہاں سے بھی ملے اور جس طرح بھی ملے۔ پیسہ کمانے کے لئے یہ بروکرز کسی قسم کی اخلاقی اقدار کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ بروکرز اس حد تک طاقتور ہو چکے ہیں کہ حکومت بھی ان کے خلاف کوئی بھی

کارروائی نہیں کر سکتی۔

سٹاک ایکسچینج کریش:

اس سکینڈل کے نتیجے میں 5 لاکھ کے قریب چھوٹے سرمایہ کار سات ارب روپے سے زائد سے کیسے محروم ہو گئے؟ اُنہیں اس حال تک کس نے پہنچایا؟ بڑے سرمایہ داروں نے کیا کردار ادا کیا؟ اور انہوں نے اپنی تجوریاں کیسے بھر لیں؟ آیئے مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں بعض حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

یہ پہلا موقع ہے کہ عام لوگوں کی اتنی بڑی تعداد سٹاک ایکسچینج کے کاروبار میں داخل ہو چکی ہے۔ دو سال پہلے اِن سٹاک ہولڈرز کی تعداد ایک لاکھ سے بھی کم تھی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ان کی تعداد 10 لاکھ سے بھی بڑھ چکی ہے۔ ان میں بڑی تعداد نئے آنے والے چھوٹے سرمایہ کاروں کی ہے جنہوں نے سٹاک مارکیٹ کے غیر معمولی طور پر تیز ہونے اور سرمایہ کاری کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے اس بزار کا رخ کیا۔ چونکہ عام لوگوں کو قومی بچت کی سکیموں سے خاطر خواہ منافع نہیں مل رہا اس لیے انہیں شیئرز مارکیٹ میں بھاری منافع نظر آیا اور انہوں نے غیر فطری طور پر زیادہ قیمت پر شیئرز خرید لیے۔

یہ صورتحال شیئرز فروخت کرنے والی بڑی کمپنیوں کے لیے بڑی فائدہ مند تھی۔ ایک تو شیئرز کی قیمت میں بہت اضافہ ہو گیا تھا، دوسرا خریدار بھی بہت تھے۔ یہی وہ موقع تھا جب ان کمپنیوں نے شیئرز کی قیمت میں دل کھول کر اضافہ کیا اور مارکیٹ میں سارے شیئرز فروخت کر دیئے۔ جن چھوٹے سرمایہ کاروں نے یہ شیئرز خریدے انہیں اس سے بھی زیادہ منافع کی توقع تھی۔ تاہم اصل کھیل چند بڑے سرمایہ دار بروکروں نے کھلا۔ ان چند بڑے سرمایہ دار بروکروں نے یہ کیا کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پہلے چند شیئرز کی قیمتیں بالکل گرا دیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ چھوٹے سرمایہ کار گھبرا کر اور نقصان سے بچنے کے لیے اپنے شیئرز کی قیمت ایک خاص سطح تک بڑھا دی جائے گی اور پھر نئے سرمایہ کاروں کو مزید بڑھنے کا لالچ دیکر وہ شیئرز زیادہ قیمت پر فروخت کر

دیئے جائیں گے۔ سب کچھ اسی منصوبہ بندی کے تحت ہوا۔ پہلے شیئرز کی قیمتیں گھٹائی گئیں اور پھر بڑھائی گئیں۔ بعد میں مزید بڑھنے کا لالچ دیکر یہ شیئرز فروخت کر دیئے گئے اور پھر منصوبہ بندی کے تحت ان کی قیمتیں اس سطح تک گرادی گئیں کہ چھوٹے سرمایہ کاروں سے انہیں لینے کے لیے بھی کوئی تیار نہیں تھا۔ کراچی سٹاک ایکسچینج کے بہت سے "بھیدی" کھلم کھلا یہ بتاتے ہیں کہ بڑے سرمایہ کاروں اور "کھلاڑیوں" نے ملی بھگت سے حصص کی قیمتیں بڑھادیں اور پھر انہیں بیچ کر اپنا سرمایہ نکال لیا۔ بھاری قیمت پر یہ شیئرز عام آدمی نے خرید لیے۔ چونکہ عام آدمی کاروباری ذہنیت سے محروم تھا۔ اس خرید سے قیمتیں مزید بڑھیں اور پھر کریش کر گئیں۔

اس پورے بحران سے کراچی سٹاک ایکسچینج کے ماہر سٹہ بازوں نے سات ارب روپے کمائے۔ اس پورے بحران میں ایک اہم کردار آئل اینڈ گیس ڈویلپمنٹ کارپوریشن (او جی ڈی سی) کا سامنے آیا۔ اس بحران سے پہلے او جی ڈی سی کے شیئرز کی قیمتیں یکدم بڑھادی گئی تھیں۔ نومبر 2003ء تک حکومت نے او جی ڈی سی کے 107.5 ملین روپے کے صرف پانچ فیصد شیئرز فروخت کے لیے پیش کئے تھے۔ 14 مارچ ء کو یہ انکشاف ہوا کہ او جی ڈی سی کا ٹریڈنگ حجم 180.455 تک پہنچ گیا ہے۔ اس سے اگلے ہی روز کمپنی کے 187.773 ملین شیئرز فروخت ہو چکے تھے۔ یہ کیفیت کس نے پیدا کی؟

دلچسپ بات یہ تھی کہ چند دنوں میں او جی ڈی سی کے ایک ارب 40 کروڑ کے شیئرز 991 شیئرز ہولڈرز نے خریدے۔ ذرائع نے بتایا کہ چھوٹے سرمایہ داروں کو سٹاک ایکسچینج کے کاروبار کی طرف راغب کرنے میں بروکریج ہاؤسز نے اہم کردار ادا کیا۔ ان بروکرز نے خوبرو لڑکیوں کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے پورے کراچی میں عام لوگوں سے رابطے کر کے انہیں اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ سب سے محفوظ سرمایہ کاری سٹاک ایکسچینج کی ہے لہٰذا وہ اس میں سرمایہ کاری کریں۔ مارچ 2005ء تک یہ سرمایہ کاری اربوں روپے تک پہنچ چکی تھی۔

بروکرز پیسے اور سرکاری اثر ورسوخ کے استعمال سے ایسے جائزے شائع کرواتے اور حکمرانوں سے ایسے بیانات دلواتے ہیں جن سے اسٹاک ایکسچینج میں مصنوعی تیزی کی فضا پیدا کی

جائے۔ اس حوالے سے سابق وزیر اعظم شوکت عزیز کے مشیر ڈاکٹر سلمان شاہ، خزانہ کے وزیر مملکت عمر ایوب خان، پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کے چیئرمین ریٹائرڈ میجر جنرل شہزادہ عالم ملک اور او جی ڈی سی کے ذمہ داروں کا کردار سامنے آتا ہے۔

کراچی اسٹاک ایکسچینج کا انڈیکس جب 8180 پوائنٹ تھا۔ اس میں مصنوعی تیزی لانے کے لئے 24 فروری 2005ء کو ڈاکٹر سلمان شاہ نے یہ بیان دیا:

"کراچی اسٹاک ایکسچینج کا انڈیکس بڑی تیزی سے 10 ہزار پوائنٹس تک پہنچ جائے گا"۔

اسی طرح ریٹائرڈ میجر جنرل شہزادہ عالم ملک نے 11 مارچ کو یہ انکشاف کیا:

"حکومت نے پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن کارپوریشن لمیٹڈ کی نجکاری کیلئے ریفرنس پرائس 2 ڈالر فی شیئر رکھ دی ہے۔ مندی کا کوئی امکان نہیں، تیزی کا رجحان برقرار رہے گا"۔

نجاری اور سرمایہ کاری کے وزیر ڈاکٹر عبدالحفیظ شیخ نے بھی اس حوالے سے بیان جاری کیا۔ ان بروکرز نے اس عرصے کے دوران سٹاک ایکسچینج کی مارکیٹ میں آئل اینڈ گیس ڈیویلپمنٹ کارپوریشن (OGDC) کے حوالے سے تیل اور گیس کے مزید بھاری ذخیرہ کی دریافت کی جھوٹی خبریں تیزی سے پھیلائیں۔ تاہم پٹرولیم کی وزارت، او جی ڈی سی کے احکام اور اسٹاک ایکسچینج کے ذمہ داروں کی طرف سے ان جھوٹی خبروں کی نہ تو تردید کی گئی اور نہ ہی اصل صورتحال پیش کی گئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکام بھی اگلے دنوں میں سامنے آنے والے سکینڈل میں ملے ہوئے تھے۔

3 جنوری 2005ء کو ایک ٹی وی ٹاک شو میں عقیل کریم ڈھیڈی (کراچی سٹاک ایکسچینج کے معروف اور سب سے بڑے بروکر) نے یہ انکشاف کیا کہ جن سرمایہ کاروں نے عقل سے کام لیا انہیں 1200 فیصد تک منافع ہوا۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کی مبالغہ آمیز خبریں بھی پھیلائی گئیں۔ اس فنکاری نے انتہائی تیزی کی مصنوعی فضا پیدا کر دی جس کی وجہ سے کراچی اسٹاک ایکسچینج کا انڈیکس 4 ہزار پوائنٹ کے اضافے سے 10300 تک جا پہنچا۔ اب چونکہ سارا کھیل اُن کے ہاتھ میں تھا اس لیے انہوں نے اپنے حصص مہنگے داموں فروخت کرنے کے بعد بدلہ فنانسگ کے

ذریعے جو روپیہ فراہم کیا تھا اسے یکدم واپس لینا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ دیگر حربے بھی استعمال کئے جس کی وجہ سے اسٹاک ایکسچینج کریش کر گیا۔ اس کریش سے چھوٹے سرمایہ کاروں کے 780 ارب روپے کا سرمایہ ڈوب گیا۔ تاہم ڈوبنے والے اس سرمائے کا بڑا حصہ حکمرانوں اور بروکروں پر مشتمل مافیا کی جیبوں میں چلا گیا۔

یہ اتنا بڑا سکینڈل تھا کہ اس سے کئی ہزار خاندان متاثر ہوئے۔ ملک بھر کے عوام میں بھی اشتعال پیدا ہوا اور مطالبہ کیا جانے لگا کہ اس سکینڈل کی تحقیقات کی کروا کر ذمہ داروں کو سزا دی جائے۔ حکومت نے بھی اس کا نوٹس لیا اور بالآخر Securities Exchange Commision of pakistan(SECP) کے چیئر مین ڈاکٹر طارق حسن نے 12 اپریل 2005ء کو جسٹس ریٹائرڈ سلیم اختر کی سربراہی میں چار رکنی ٹاسک فورس قائم کر دی۔ اس ٹاسک فورس کے دیگر ممبران ڈاکٹر محمد زبیر خان، ڈاکٹر شاہد کاردار اور مسٹر سلطان الانہ تھے۔ SECP کے سینئر افسر مسٹر عادل ندیم خان کو ٹاسک فورس کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اس کے دائرہ کار (Terms Of Refernce) میں مندرجہ ذیل 9 نکات شامل کئے گئے۔

1۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد اسٹاک ایکسچینجز میں یکم جنوری سے 31 مارچ 2005ء کے عرصہ میں پیدا ہونے والی صورتحال کی وجوہات کا تعین کیا جائے۔

2۔ اسٹاک ایکسچینج کے حالیہ واقعات برپا کرنے میں مارکیٹ کے مختلف شرکاء کار بشمول سرمایہ کاروں، بروکروں، بدلہ فنانسروں، بدلہ فنانس لینے والوں، مشترکہ فنڈز، بینکنگ کمپنیوں، نان بینکنگ مالیاتی اداروں، سرمایہ کار بنکوں اور ترقیاتی مالیاتی اداروں کے کردار کا تجزیہ کیا جائے لیکن یہ تجزیہ صرف انہی شرکاء کار تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔

3۔ مارکیٹ کے استحصال کے بارے میں لگائے جانے والے الزامات Insider Trading اور مارکیٹ میں پائی جانے والی دوسری خرابیوں کی تفتیش کی جائے اور سرمایہ کاروں کے تحفظ کیلئے انتظامی اور عملی اصلاحات تجویز کی جائیں۔

4۔ بطور فرنٹ لائن ریگولیٹرز، کراچی، لاہور اور اسلام آباد اسٹاک ایکسچینجز، بطور APEX ریگولیٹر، SECP اور مارکیٹ کی حالیہ صورتحال میں دیگر سٹیک ہولڈرز کے کردار کا تجزیہ کیا جائے۔

5۔ سکیورٹیز آفر کرنے والوں اور ان کے ایجنٹوں، میڈیا اور تحقیقاتی تجزیہ نگاروں سمیت مارکیٹ کے شراکت کاروں کی ہونے والی بحثوں کے اثرات کا جائزہ لے کر درست رپورٹنگ اور اطلاعات کی فراہمی کیلئے رہنما اصولوں کی سفارش کی جائے۔

6۔ مارکیٹ کے شراکت کاروں (Stock Ecchanges, NCCP, CDC) کی نگرانی اور احتساب کیلئے انتظامی اور عملی اصلاحات کیلئے سفارشات مرتب کی جائیں۔

7۔ انتظامی طریقہ کار کو مضبوط اور مستحکم کرنے کیلئے مطلوبہ اقدامات تجویز کئے جائیں اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ یہ اقدامات خصوصی طور پر اس حوالے سے تجویز کئے جائیں کہ متعلقہ ادارہ ہنگامی بنیادوں پر مداخلت کرنے، نظام میں پائے جانے والے رسک (Risk) کو روکنے اور مارکیٹ کے استحکام کو فروغ دینے کے قابل ہو سکے۔

8۔ ٹاسک فورس کو ذیلی کمیٹیاں تانے، دوسرے ممبر شامل کرنے، آڈیٹر اور پیشہ ور ماہرین کے تقرر، ضروری معلومات اور دستاویزات حاصل کرنے، مطلوبہ اشخاص کی حاضری کو یقینی بنانے، سٹاک ایکسچینجز، بروکرز اور مالی معاملات کے ثالثوں کے آڈٹ کے علاوہ مارکیٹ کے حالیہ بحران پر اثر انداز ہونے والے کسی بھی معاملے کی تفتیش کرنے کا اختیار ہوگا۔

9۔ ٹاسک فورس اپنا مینڈیٹ مکمل کرنے کیلئے جیسے چاہے اقدامات کرے اور وہ کسی بھی طرح کے اختیارات استعمال کرنا چاہے وہ سب اسے حاصل ہونگے۔

ٹاسک فورس نے 15 اپریل سے 23ء جون 2005ء تک اسلام آباد، کراچی اور لاہور میں اداروں کے سربراہوں، کمشن ایجنٹس، اسٹاک ایکسچینجز کے عہدیداروں، سرمایہ کاروں اور ماہرین سے تفصیلی ملاقاتیں کیں اور حقائق کا کھوج لگانے کی کوشش کی۔

2 جولائی 2005ء کو جسٹس سلیم اختر کی ٹاسک فورس نے 86 صفحات پر مشتمل اپنی

معلومات کی رپورٹ SECP کے چیئرمین کو پیش کر دی جسے عوام کے مفاد کیلئے انہوں نے اگست 2005ء کے دوران نہ صرف میڈیا کو جاری کر دیا بلکہ اسے SECP کی ویب سائٹ پر بھی دے دیا۔

ٹاسک فورس کی رپورٹ میں جو حقائق سامنے آئے اُن انتہائی شرمناک تھے اور بتاتے تھے کہ چند طاقتور بروکرز نے حکمرانوں اور بعض سنئیر افسروں کی سرپرستی اور ملی بھگت سے اسٹاک ایکسچینجز کو مکمل طور پر یرغمال بنا رکھا ہے۔ سٹاک ایکسچینج کا کاروبار کالا دھن سفید کرنے کا ذریعہ بن چکا ہے، یہ بروکرز اقتدار کے کھیل میں بھی کردار ادا کرتے ہیں، بدلہ فنانسنگ کے ذریعے یہ لوگ مال بھی بناتے ہیں اور مارکیٹ کے کریش ہونے کا راستہ بھی ہموار کرتے ہیں۔ وہ ریکارڈ بھی نہیں رکھتے، خود ہی شیئرز خریدتے اور فروخت کرتے ہیں۔

ٹاسک فورس نے اس حوالے سے مندرجہ ذیل سات بڑے بروکروں کو نامزد کیا جو اس کریش کے ذمہ دار تھے۔

(i) موسانی سیکورٹیز
(ii) عقیل کریم ڈھیڈھی
(iii) ورلڈ وائیڈ سیکورٹیز
(iv) اے ایچ کے ڈی سیکورٹیز
(v) مسٹر منیر احمد خانانی
(vi) موتی والا سیکورٹیز
(vii) مسٹر محمد انس کپاڈیہ

یہ سات بڑے بروکرز سٹاک ایکسچینج سکینڈل کے ذمہ دار تھے اور انہوں نے ملی بھگت سے چھوٹے سرمایہ کاروں کی جیبوں سے جعل سازی کر کے اربوں روپے نکلوائے اور ہڑپ کر گئے۔ سٹاک مارکیٹ کے بڑے بروکر جو فیوچرز مارکیٹ میں بدلا فنانس مہیا کرتے تھے اور مارچ میں جنہوں نے فیوچرز مارکیٹ میں شیئرز فروخت کئے، اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	بدلہ مہیا کرنے والے	رقم
1	عارف حبیب سیکورٹیز	4ارب 62 کروڑ 20لاکھ روپے
2	عقیل کریم ڈھیڈھی	4ارب 23 کروڑ 30لاکھ روپے
3	اطلس انویسٹ	2ارب 22 کروڑ 80لاکھ روپے
4	ڈی جی ایم سیکورٹیز لمیٹڈ	1ارب 81 کروڑ 50لاکھ روپے
5	Orix بنک انویسٹمنٹ	1ارب 73 کروڑ 10لاکھ روپے
6	KASB سیکورٹیز	1ارب 71 کروڑ 40لاکھ روپے
7	ڈارسن لمیٹڈ	1ارب 53 کروڑ 40لاکھ روپے
8	فرسٹ کیپٹل ایکوٹیز	1ارب 46 کروڑ 80لاکھ روپے
9	موتی والا سیکورٹیز	1ارب 3 کروڑ روپے
10	ایس سی سیکورٹیز	99 کروڑ 50لاکھ روپے
11	جہانگیر صدیق	91 کروڑ 70لاکھ روپے
12	اکبر علی قسم	84 کروڑ 90لاکھ روپے
13	محمد حسین	75 کروڑ 90لاکھ روپے
14	فرسٹ ایکویٹی	69 کروڑ 30لاکھ روپے

شیئرز فروخت کرنے والے بڑے بروکرز:

1۔ عارف حبیب سیکورٹیز
2۔ عقیل کے ڈی سیکورٹیز
3۔ ڈی جے ایم سیکورٹیز

4۔ جہانگیر صدیقی

5۔ORIX بنک

6۔KASB

7فرسٹ کیپٹل ایکویٹی

8۔ایف ڈی ایم کیپٹل سیکورٹیز

9۔فیروزالدین اے۔قاسم

ایس سی سیکورٹیز

ٹاسک فورس SECP کو دیگر سفارشات کے علاوہ مذکورہ بروکرز کو قید و جرمانے سمیت سخت سزائیں دینے کیلئے قانون سازی کی سفارش کی۔ اس کے علاوہ سفارش کی گئی کہ عادی مجرموں کو ہمیشہ کیلئے بلیک لسٹ کیا جائے، اسٹاک ایکسچینج کی سربراہی کو بروکرز سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا جائے، کاروبار کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کو یقینی بنایا جائے، بدلہ فنانسنگ کی جگہ بہتر نظام لایا جائے ،اسٹاک ایکسچینجز کے کاربار کو مسلمہ بین الاقوامی ضابطوں کے مطابق درست کرنے اور مالی امور سے متعلق Forensic experts کے ذریعے تفصیلی انکوائری کرانے کی سفارشات بھی کیں۔

ڈاکٹر طارق حسن نے ٹاسک فورس کی اس رپورٹ کو منظور کر کے اس پر عملدرآمد شروع کر دیا۔لیکن انہیں اس پر عمل درآمد کروانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے مشکلات کے باوجود سٹاک ایکسچینجز بورڈ کے چیئرمین کیلئے نان بروکرز ممبر کا راستہ ہموار کیا، بدلہ فنانسنگ کو (Continuous Funding System(CFS)) کے ذریعے مرحلہ وار تبدیل (Replace) کرنے کا کام بھی شروع کیا۔اس بات کا انتظام بھی کیا کہ غلط خبروں اور افواہوں کے ذریعے مارکیٹ میں مصنوعی تیزی پیدا نہ کی جا سکے۔انہوں نے مجرموں کو قید اور بھاری جرمانوں کی سزائیں دلانے کیلئے قانون کا مسودہ بنا کر وزارت خزانہ کو بھیج دیا۔کمیشن کے بورڈ سے Foresnic Audit کیلئے ماہرین کی ٹیم مقرر کرنے کی اجازت بھی حاصل کر لی۔

ڈاکٹر طارق حسن کے یہ اقدامات جاری تھے کہ ادھر پبلک اکاؤنٹس کمیٹی اور مالیاتی امور پر سینٹ اور قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹیوں نے بھی مارچ 2005ء کے کریش کا نوٹس لے لیا اور مختلف تاریخوں پر SECP کے چیئرمین کو طلب کر لیا۔ڈاکٹر طارق حسن نے 2 اپریل 2005ء کو پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے سامنے مارچ 2005ء کے بحران اور متعلقہ حکام کی طرف سے کئے جانے والے اقدامات کے بارے میں تحریری بیان پیش کیا۔انہیں قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے بھی پیش ہونا پڑا اور بحران سے نمٹنے کیلئے SECP کی طرف سے ٹاسک فورس کی سفارشات کی روشنی میں اٹھائے جانے والے اقدامات اور سٹاک مارکیٹ کی صورتحال پر الگ الگ دو تحریری بیانات ریکارڈ پر رکھے۔انہوں نے 12 ستمبر اور 20 ستمبر 2005ء کو سینٹ کمیٹی کے سامنے بھی مارچ 2005ء کے کریش کے جائزے کے بارے میں اور ٹاسک فورس کی رپورٹ کی روشنی میں SECP کی طرف سے کئے جانے والے عملی اقدامات کے بارے میں اپنے تحریری بیانات پڑھ کر سنائے اور ریکارڈ کے لیے سٹینڈنگ کمیٹی کے چیئرمین کے حوالے کئے۔

یہ وہ وقت تھا جب بروکرز مافیا کو خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے پہلی بار اپنے بچاؤ کے لئے اس بارے میں سوچنا شروع کیا۔ان طاقتور بروکرز نے چیئرمین SECP ڈاکٹر طارق حسن کو برطرف کروانے کیلئے کام کرنا شروع کر دیا۔ان بروکرز نے اپنے سرپرستوں کا دروازہ بجایا اور ان پر دباؤ ڈالا کہ ڈاکٹر طارق حسن کو تبدیل کیا جائے۔ان بروکرز کے دباؤ کے نتیجے میں ڈاکٹر سلمان شاہ اور عمر ایوب خان نے بالخصوص چیئرمین پر دباؤ ڈالنا شروع کیا جس پر انہوں نے 20 جولائی 2005ء کو اس وقت کے وزیراعظم شوکت عزیز کے نام چار صفحات پر مشتمل تفصیلی خط لکھا۔اس خط کے چوتے، چھٹے اور ساتویں پیراگراف میں انہوں نے بتایا کہ بدلہ فنانسنگ (جو مافیا کے مفادات کے حصول کا ایک انتہائی موثر ہتھیار تھا) کو مرحلہ وار ختم کرنے کے راستے میں خزانہ کے اس وقت کے وزیر مملکت عمر ایوب اور مشیر ڈاکٹر سلمان شاہ براہ راست رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے سیکورٹیز ایکسچینج کمیشن آف پاکستان کی طرف سے اصلاحات کے جاری عمل کو سنگین خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔انہوں نے درخواست کی کہ شوکت عزیز بطور وزیراعظم اور

وزیرخزانہ اُن کی مدد کریں۔ڈاکٹر طارق حسن نے 4 اگست 2005ء کو شوکت عزیز کے نام ایک اور خط لکھا جس میں کہا کہ یہ وزیراعظم کے مشورے پر ہی بدلہ فنانسنگ کو مرحلہ وار ختم کرنے کے عمل کو عارضی طور پر نہ صرف منجمد کر دیا تھا بلکہ اسے محدود پیمانے پر Roll Back بھی کر دیا تھا لیکن اب وزیراعظم کے مشیر (ڈاکٹر سلمان شاہ) مزید ''بہت کچھ'' کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں جو ان کے نزدیک ''کیپٹل مارکیٹ ریفارمز'' کیلئے تباہ کن ثابت ہوگا۔ یہ تفصیل بتا کر انہوں نے وزیراعظم سے کہا کہ ان حالات میں ان کیلئے کام جاری رکھنا ممکن نہیں۔ اس لیے میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دینا چاہتا ہوں۔

اس خط کے بعد شوکت عزیز نے ڈاکٹر طارق حسن کو بلایا اور کہا کہ ہمیں آپ کی صلاحیتوں پر اعتماد ہے اور آپ کی خدمات کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔لیکن فی الحال آپ اپنا کام جاری رکھیں۔چار ماہ بعد یعنی 9 جنوری 2006ء کو ڈاکٹر طارق حسن نے شوکت عزیز کو دو صفحات کا ایک تیسرا خط لکھا۔جس میں انہوں نے کہا کہ جب ''بدلہ فنانسنگ'' کے جھگڑے پر 4 اگست 2005ء کو انکے نام خط کے ذریعے انہوں نے مستعفی ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی تو شوکت عزیز نے انکی صلاحیتوں پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے انہیں استعفیٰ دینے سے منع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس وقت بدلہ فنانسنگ کی جگہ Continuous Funding System(CFS) متعارف کرانے پر رضامندی کا اظہار بھی کیا تھا لیکن حالیہ ایک میٹنگ میں، میں Market Players (بروکرز) کے ساتھ اچھے تعلقات قائم نہیں رکھ سکا۔آپ نے غیر متوقع طور پر مجھ سے چیئرمین SECP کے عہدے سے استعفیٰ مانگ لیا۔آپ کی خواہش پر میں آپ کے پرنسپل سیکرٹری مسٹر جاوید صادق ملک سے آج سہ پہر (9 جنوری 2006) کو ملا اور ان سے تفصیل سے تبادلہ خیال کیا۔میں نے انہیں یہ کہا کہ مجھے عید کے دنوں میں اپنی فیملی کے ساتھ مشاورت کرنے کا موقع دیا جائے لیکن انہوں نے مجھے بتایا کہ وزیراعظم نے میری یہ درخواست منظور نہیں کی اور کہا ہے کہ میں آج شام تک استعفیٰ دے دوں اور اس کے ساتھ ہی مجھے وزیراعظم کے قانونی مشیر کے عہدے پر تقرری کی پیش کش بھی کی گئی ہے۔میں نے پہلے اصولوں

کی روشنی میں مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور اب اصول کی بنیاد پر ہی استعفیٰ نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔میں قانونی مشیر کا عہدہ بھی قبول نہیں کر سکتا۔مناسب یہی ہوگا کہ وزیراعظم یا تو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں یا تفصیل سے مجھے اپنا موقف بیان کرنے کا موقع دیں۔''

شوکت عزیز نے 12 جنوری 2006ء کو عید کی چھٹیوں کے دوران فنانس ڈویژن کا دفتر کھلوایا اور اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ڈاکٹر طارق حسن کو چیئرمین کے عہدے سے ہٹانے اور مسٹر رضی الرحمٰن خان کو چیئرمین مقرر کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کروا دیا۔اس طرح شوکت عزیز نے بھی بروکروں کے سرپرست بن گئے۔ان کے اس اقدام سے بروکروں کو چھوٹے سرمایہ کاروں کے مزید استحصال کا موقع مل گیا اور اس طرح SECP کی اصلاحات کھوہ کھاتے چلی گئیں۔

ڈاکٹر طارق حسن کی برطرفی کے تین ماہ بعد 17 اپریل 2006ء کو کراچی سٹاک ایکسچینج کریش ہونے کا عمل دوبارہ شروع ہو گیا اور 31 مئی 2006ء ٹھیک 45 دن کے اندر انڈیکس 12,273 پوائنٹس سے 9800 پوائنٹس تک گر گیا، جس کی وجہ سے ایک بار پھر لوگوں کے 600 ارب روپے ڈوب گئے۔اس طرح مارچ 2005ء سے مئی 2006 میں سرمایہ کاروں کے مجموعی طور پر 1380 ارب روپے ڈوب گئے۔

یہ بحران قدرتی نقصان نہیں تھا بلکہ بروکرز اور ان کے سرپرستوں کے لوٹ مار کے طے شدہ پروگرام کے عین مطابق پیدا کیا گیا تھا۔180 ارب روپے کا بڑا حصہ بڑے بروکرز اور ان کے سرپرست حکمرانوں اور افسروں کی جیب میں چلا گیا۔مئی 2006ء کے اس کریش نے 2005ء کے کریش کی یاد پھر سے تازہ کر دی اور لوگوں نے بے ساختہ اس کا ذمہ دار اس وقت کے وزیراعظم شوکت عزیز اور ان کی ٹیم کو قرار دیا۔ان کے نزدیک ڈاکٹر طارق حسن کو SECP کے چیئرمین کے عہدے سے نہ ہٹایا جاتا اور ان کی طرف سے جاری اصلاحات نافذ ہو جاتیں تو دوبارہ اس بری طرح سٹاک ایکسچینج کریش نہ ہوتا۔

یہ وہ وقت تھا جب مارچ 2005ء کے کریش کی تمام تفصیلات بھی سامنے آ چکی تھیں اور اس

کے ذمہ دار کردار قوم کے سامنے بے نقاب ہو چکے تھے، انکے پاس اپنی صفائی میں پیش کرنے کیلئے کچھ نہ تھا۔

اس موقع پر منظر نامے میں ایک انٹری ہوئی اور صدر پرویز مشرف اپنے امپورٹڈ وزیر اعظم اور ان کی ٹیم کے دفاع کیلئے میدان میں اترے۔ انہوں نے 12 جولائی 2006ء کو بزنس پلس ٹی وی کے ساتھ انٹرویو میں مئی 2006ء کے کریش کی بات کرنے اور اس کے ذمہ داروں کا نام بتانے کی بجائے مارچ 2005ء کے کریش کا ذکر کیا اور اس کی ساری ذمہ داری ڈاکٹر طارق حسن پر ڈال دی اور یہ تاریخی جملہ بولا:

"میں نے ذاتی طور پر انہیں ڈسمس کرنے کیلئے کہا تھا۔"

بزنس پلس کے حوالے سے ان کا یہ موقف قومی اور بین الاقوامی میڈیا میں شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر طارق حسن کی نگرانی کی جانے لگی اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب ان کی گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

بروکرز مافیا سمجھتا تھا کہ انہوں نے ڈاکٹر طارق حسن کی برطرف تو کروا دیا ہے لیکن ان کی پیش کردہ رپورٹ ان کے لئے کسی بھی خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس رپورٹ کو تبدیل کروانے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ منصوبے کے مطابق انہوں نے ٹاسک فورس کی سفارش کی روشنی میں سابق چیئر مین کی طرف سے Forensic inquiry team کے تقرر کیلئے کمیشن کی منظوری کو اپنے حق میں Exploit کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

اس مقصد کے لئے سابقہ چیئر مین کی مقرر کردہ ٹیم کی بجائے اپنے من پسند افراد پر مشتمل ٹیم تیار کی گئی جنہیں بدلہ فنانسنگ کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اس ٹیم کو ایسا پاکستانی آڈیٹر یا گائیڈ بھی مہیا نہ کیا گیا جو بدلہ سسٹم اور مقامی طور پر طریقوں (Practices) سے اچھی طرح آگاہ ہوتا اور اس ٹیم کی رہنمائی کرتا۔ اسی لیے ان غیر ملکیوں کو بدلہ فنانسنگ اور مقامی طور طریقوں کو سمجھنے میں بہت زیادہ وقت لگ گیا۔ Forensic Inquiry Team کو تبدیل کرنے اور اس کے TSECP کی erms of Refernce کو محدود کرنے پر احتجاج کرتے

ہوئے SECP کے ایگزیکٹوڈائریکٹر سیکیورٹیز مارکیٹ نے استعفیٰ دے دیا۔ ان forensec Auditors کو نامکمل حقائق اور اعداد و شمار (Data) پیش کیا گیا جس کا اظہار ان کی رپورٹ میں شامل طویل اور بے شمار حاشیوں (Foot Notes) سے ہوتا ہے۔ اس نام نہاد Forensic Team نے مافیا کے منصوبے کے مطابق اپنی عبوری رپورٹ میں ٹاسک فورس کی رپورٹ کو "Speculative" یعنی قیاس پر مبنی قرار دے کر گویا مسترد کر دیا اور اس طرح بروکرز کو بچا لیا۔

ملک بھر کے ماہرین اور سٹاک ایکسچینج بزنس پر نظر رکھنے والوں کے نزدیک ڈاکٹر طارق حسن کی سربراہی میں قائم کئے جانے والے ٹاسک فورس کی رپورٹ انتہائی جامع تھی اور Forensic Team کی رپورٹ بے وقعت تھی۔ قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی نے بھی اس امر کا نوٹس لیا۔ رکن قومی اسمبلی سردار ایاز صادق اور لیاقت بلوچ سمیت قومی اسمبلی کی سٹینڈ کمیٹی کے ارکان کی اکثریت نے اس عبوری رپورٹ کو مٹی ڈالنے کی مشق قرار دیا جس کا مقصد بروکروں اور ان کے سرپرستوں کو بچانا تھا۔

اس موقع پر حکومتی رکن اسمبلی کشمالہ طارق نے سوال کیا کہ ٹاسک فورس کی خدمات کس نے حاصل کیں اور اس کے تقرر کا کیا معیار تھا؟ لیکن اس کے اس سوال کا کسی نے جواب نہ دیا۔ قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی میں ایک بار پھر ڈاکٹر طارق حسن کو 7 جولائی 2006ء کو طلب کیا گیا انہوں نے سٹاک مارکیٹ کی صورتحال پر 270 صفحات پر مشتمل وائٹ پیپر سٹینڈنگ کمیٹی کو پیش کر دیا اور اس کی ایک ایک نقل تمام ممبران کے حوالے کر دی۔ ٹاسک فورس کمیٹی کی رپورٹ اور وائٹ پیپر نہایت اہم دستاویزات ہیں۔ ان دستاویزات نے کریش کے ذمہ دار ملزموں اور مجرموں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان دستاویزات کی روشنی میں اپوزیشن نے تحریک التواء کے ذریعے یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں اٹھانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

پاکستان پیپلز پارٹی نے 12 اگست 2006ء کو اس مسئلے پر وزیر اعظم شوکت عزیز، ڈاکٹر سلمان شاہ اور وزیر مملکت عمر ایوب خان کے خلاف نیب میں ریفرنس دائر کیا لیکن نیب نے اس

ریفرنیس کو اس وجہ سے سرد خانے میں ڈال دیا ہے کہ اس میں نہ صرف اس وقت کے وزیراعظم شوکت عزیز سمیت صدر پرویز مشرف کی ٹیم کے لوگوں پر الزام آرہا ہے بلکہ بالواسطہ پرویز مشرف اور شوکت عزیز بھی اس کی زد میں آتے تھے۔

18 فروری 2008ء کے انتخابات کے نتیجے میں نئی اسمبلیاں وجود میں آئیں اور سابقہ حکمران جماعت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز کی واضح اکثریت کے بعد یہ امید پیدا ہوئی کہ اس معاملے کو دوبارہ سامنے لایا جائے گا۔ اس سلسلے میں اگرچہ کوئی بڑی کامیابی تو نہیں ہوئی لیکن 25 اپریل 2008ء کو قومی اسمبلی میں ایک بار پھر اس مسئلہ کو اٹھایا گیا۔ مسلم لیگ نواز کے رکن قومی اسمبلی سردار ایاز صادق نے نکتہ اعتراض اٹھایا کہ وزیر خزانہ اس سکینڈل کی خصوصی پارلیمانی کمیٹی کے ذریعے تحقیقات کرائیں۔ اس وقت کے وزیر خزانہ اسحٰق ڈار نے نکتہ اعتراض کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بہت بڑا افراڈ تھا۔ اس سکینڈل میں کئی بااثر لوگ ملوث ہیں اور 700 ارب روپے ڈوبنے کی جامع تحقیقات ہونی چاہیے۔ ارباب اختیار نے اپنے آپ کو بچانے کیلئے امریکی فرم کی خدمات حاصل کی تھیں اس معاملے کو زیر غور لایا جاسکتا ہے۔ وزیر خزانہ نے یہ بھی کہا کہ اس معاملے پر ٹاسک فورس کی رپورٹ آچکی ہے۔ سپیکر قومی اسمبلی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا نے ایوان کی منظوری سے سٹاک ایکسچینج سکینڈل کی تحقیقات فنانس کمیٹی کے سپرد کردی۔

فنانس کمیٹی کیا فیصلہ کرتی ہے؟ یہ ایک اور بڑا موضوع ہے، کیونکہ پھر بہت ساری مصلحتیں سامنے آجائیں گی۔ عوام چاہتے ہیں کہ اس سکینڈل کے ذمہ داروں کو سزا ملے تاکہ وہ دوبارہ چھوٹے سرمایہ کاروں کو لوٹنے کی سازشیں نہ کرسکیں۔

سٹاک ایکسچینج کا جوا:

سٹاک ایکسچینج میں سرمایہ کاری کرنے والے چھوٹے سرمایہ کاروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ انہیں کیسے کنگال کیا جاتا ہے؟ اس کی جھلک ذرا دیکھ لیجئے۔

سعید احمد عباسی کے مطابق میرے ایک دوست نے ایک سال پہلے اسٹاک ایکسچینج میں ڈھائی لاکھ روپے کی سرمایہ کاری کی۔ اس کا خیال ہی تھا کہ ایک کمپنی کے شیئرز خرید کر رکھ لے گا اور جب اسے پیسوں کی ضرورت ہوگی وہ انہیں فروخت کردے گا۔ پہلے اسٹاک ایکسچینج سے کوئی بھی شیئرز خرید کر اپنے گھر میں رکھ سکتا تھا مگر اب شیئرز خریدنے کیلئے اسٹاک ایکسچینج کی کسی کمپنی کی خدمات حاصل کرنا پڑتی ہیں وہ آپ کا اکاؤنٹ cdc میں کھلواتے ہیں۔ پھر آپ جو شیئرز بھی خریدتے ہیں اور اسی اکاؤنٹ میں پڑے رہتے ہیں آپ انہیں گھر نہیں لے جاسکتے۔ اگر آپ شیئرز کی خرید وفروخت کا کاروبار کرنا چاہتے ہیں تو اپنی کمپنی کو کال کرتے ہیں یا پھر اس کے ایجنٹ کے ساتھ اسٹاک ایکسچینج میں بیٹھ جاتے ہیں ہر بار جب آپ اپنے شیئرز خریدتے ہیں یا فروخت کرتے ہیں، ایجنٹ آپ سے ایک شیٹ پر سائن کراتا ہے تاکہ سند رہے کہ کاروبار آپ نے ہی کیا ہے اور نفع نقصان کے ذمہ دار بھی آپ ہی ہیں۔ کاروبار میں چاہے نفع ہو یا نقصان کمپنی اور اس کا ڈیلر اپنا کمیشن ضرور وصول کرتا ہے۔ شیئرز کے مالک کی اجازت کے بغیر کاروبار کرنا جرم ہے۔

میرا دوست جو شیئرز خریدنا چاہتا تھا وہ ایک ایسے ادارے کے تھے جو ان کے رشتہ داروں کا ہی تھا اور انہیں معلوم تھا کہ یہ ادارہ مستحکم ہے اس لئے وہ اس شیئرز ایک سال کیلئے اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسٹاک ایکسچینج گیا ایک سکیورٹی کمپنی سے بات کی، کمپنی نے اسے اپنے ایک ڈیلر کے حوالے کردیا، قانونی ضابطوں کے عین مطابق کمپنی کے نام ڈھائی لاکھ کا چیک بنا دیا گیا اور وہ کمپنی کے اکاؤنٹ میں جمع ہوگیا۔

اب میرا دوست جب چاہتا اس ڈیلر کی مدد سے اسٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید وفروخت کا کاروبار کرسکتا تھا مگر اسے کاروبار نہیں کرنا تھا۔ وہ ایک مخصوص ادارے کے کچھ شیئرز خرید کر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے وہ ڈیلر کو ہی بتا کر گھر چلا آیا کہ اگلے روز میں وہ بتائے گا کہ کس ادارے کے شیئرز خریدنے ہیں۔ مگر اس کی والدہ اپنے دل کو دبائے منتظر تھیں۔ لہٰذا اگلے چند روز وہ اسپتالوں کے چکر لگاتا رہا اور آخر کار وہ لمحہ آگیا جس کے لئے متوسط طبقے کے لوگ ایک ایک پیسہ کر کے کچھ رقم پس انداز کرتے ہیں۔ والدہ کے دل کی دھڑکنیں دوبارہ سے بحال کرنے کیلئے جب پیسوں کی ضرورت سامنے آئی تو میرا دوست پھر سے شیئرز ڈیلر کے پاس جا پہنچا اور اسے بتایا

کہ اکاؤنٹ بند کر کے رقم واپس کردی جائے۔کمپیوٹر پر مصروف ڈیلر نے بے نیازی سے سر اٹھایا اور عام سے لہجے میں بتایا کہ رقم کچھ کم ہوگئی ہے کیوں کہ کچھ کاروبار کیا تھا جس میں نقصان ہوگیا ہے۔ماں کو بچانے کے لئے رقم کی ضرورت تھی اور زندگی بھر کی جمع پونجی جس شخص کے پاس تھی وہ اسے جوئے کی نذر کر چکا تھا۔کسی کے شیئرز بغیر مالک کی اجازت کے کاروبار میں استعمال کرنا اسٹاک ایکسچینج ہی کے قانون کے تحت جرم ہے۔میرے دوست نے بھی ڈیلر کو کاروبار کرنے سے منع کیا تھا مگر وہ ایسا کر چکا تھا جس پر ہاتھا پائی ہوئی اور بات کمپنی کے مالکان تک گئی۔کمپنی کے مالکان نے ایک کتاب نکال کر میرے دوست کے سامنے رکھ دی جس کو پڑھنے کیلئے بھی کئی دن کی ضرورت تھی یہ کتاب ان لاکھوں شیئرز کی تفصیل تھی جو میرے دوست کی رقم کو استعمال کرتے ہوئے خریدے اور فروخت کئے گئے تھے۔کتاب کا آخری صفحہ یہ بتا رہا تھا کہ نقصان ہوتے ہوتے ڈھائی لاکھ روپے میں صفر روپیہ باقی بچا ہے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ تمام سودے غیر قانونی تھے کیوں کہ رقم کے مالک کی اجازت بغیر ہی تمام کاروبار کیا گیا تھا۔اس سے بھی بڑی حیرت یہ تھی کہ تمام سودوں میں اتنا نقصان نہیں ہوا تھا مگر کمپنی نے ان لاکھوں شیئرز کی مد میں اپنے کمیشن کے طور پر آدھی سے زائد رقم ہتھیالی تھی۔کچھ رقم ڈیلر کے کمیشن میں چلی گئی اور باقی رقم کا نقصان ہوگیا۔میرے دوست نے اپنا کیس اسلام آباد میں SECP کے پاس بھیج دیا جو اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کو مانیٹر کرنے والا سرکاری ادارہ ہے۔تمام دستاویزات نیب کے پاس بھی بھیجی گئیں مگر جواب صرف اسلام آباد سے SECP کا آیا۔لیٹر میں لکھا تھا کہ آپ کا کیس کراچی سٹاک ایکسچینج کو بھیج دیا ہے اس کا فیصلہ لے کر آپ ہمارے پاس آئیں۔یہ سب ایک سال پہلے کا معاملہ ہے۔اگلے ایک سال کے دوران کراچی اسٹاک ایکسچینج میں کیس چلتا رہا۔اس کیس کو سننے والے اور تفتیش کرنے والے اسٹاک ایکسچینج کے ممبران تھے۔بالکل اسی طرح جس طرح ملزم کمپنی ممبر تھی۔ایک ہفتے قبل میرے دوست نے بتایا کہ آج اس کے کیس کا فیصلہ ہے اس لئے میں بھی اس کے ساتھ چلوں۔کمرے میں بارہ افراد تھے۔انہوں نے جارحانہ انداز میں پہلا سوال ہی یہ کیا کہ ہم نے ایک کمپنی پر کس طرح سے فراڈ کا الزام لگادیا۔ایک اور ممبر بولا کہ ہم سب بھی اسٹاک ایکسچینج کے ممبر ہیں،ہمیں معلوم ہے کہ لوگ جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ان کی باتیں سن کر میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔یہ کیسی انکوائری تھی جو وہی کمپنیاں کر رہی تھی جو خود ہی اس کیس میں ملوث ہیں۔فراڈ کی ملزم کمپنی بھی اسٹاک ایکسچینج کی ممبر ہے۔انکوائری کرنے والا بورڈ بھی ممبران پر مشتمل ہے،ان کے خلاف بھی اس قسم کے کیس آتے ہیں،یہ کیسا انصاف تھا۔تمام دستاویزات چلا چلا کر حقیقت بتا رہی ہیں کہ تمام کاروبار غیر قانونی تھا اور کیس میں ملوث کمپنی کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس نے رقم کے مالک کی اجازت سے کاروبار کیا اور یہی بات فیصلے کی آڑ میں رکاوٹ ہے کہ میرا دوست ہر بار انہیں چیف جسٹس کی دھمکی دے آتا ہے۔ایک ہفتے قبل جب میں اس کے ساتھ گیا تو بورڈ کے اراکین نے نئی چال چلی،ایک ممبر نے کرسی پر جھولتے ہوئے بے نیازی سے کہا کہ یہاں تو لوگ صبح کو لاکھوں روپے لے کر آتے ہیں۔اور شام کو ہاتھ جھاڑ کر چلے جاتے ہیں اور آپ ڈھائی لاکھ روپے کو ایک سال سے رو رہے ہیں اس سے زیادہ تو آپ کا دوڑ بھاگ میں خرچہ ہوگیا ہوگا۔ایک اور ممبر نے اپنے لمبے بالوں کے چکنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چارہ ڈالا کہ ایسا کرتے ہیں آپ کو آدھی رقم ادا کر دیتے ہیں،آدھا نقصان آپ برداشت کریں،آدھا کمپنی پر ڈال دیتے ہیں۔جواب میں میرے دوست نے چیف جسٹس کا نام لیا تو کرسی پر جھولنے والا ایک رکن تیزی سے آگے کی طرف ہوا۔کہنیاں میز پر ٹکائیں،لب و لہجے کو کھردرا بنا کر بولا:

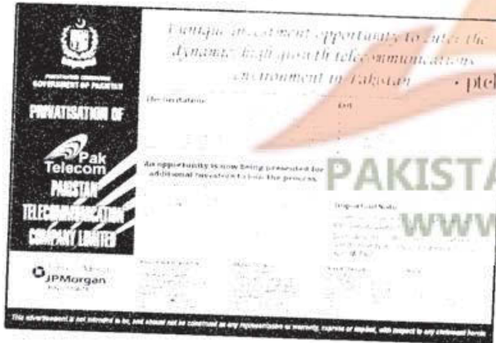
''قانون! قانون کی بات کریں تو جرم صرف اتنا ہے کہ بغیر اجازت اس نے آپ کی رقم سے کاروبار کیا ہے اور اس پر قانونی جرمانہ 25000 روپے ہے۔''

اس روز بھی فیصلہ نہیں ہو سکا شاید فیصلے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ چیف جسٹس کا ڈر ہے۔اس کے بعد میں تین دن تک کراچی اسٹاک ایکسچینج کے باہر کھڑا ہوتا رہا۔مجھے ہر روز ایک سے زائد ایسے افراد ملے جو اپنی ڈوبی ہوئی زندگی بھر کی جمع پونجی واپس حاصل کرنے کیلئے چکر لگا رہے تھے۔ہر متاثرہ فرد کی کہانی دوسرے سے بڑھ کر ظلم کی ایک داستان تھی جسے سننے پر کوئی بھی تیار نہیں۔

ہر شام جب اس عمارت کے دروازے بند ہوتے ہیں تو درجنوں لوگ اپنی جمع پونجی سے محروم ہو چکے ہوتے ہیں اور اسے کاروبار کا نام دیا جاتا ہے مگر یہ کیسا کاروبار ہے؟ اگر یہی کام لیاری کا رحمان ڈکیت کرے، تو جرم کہلاتا ہے مگر اس عمارات میں یہی کام ہو تو اسے کاروبار کا نام دیا جاتا ہے۔ اسٹاک ایکسچینج میں کام کرنے والے اپنے ایک دوست سے میں نے پوچھا کہ کیا کبھی کسی کمپنی کے خلاف بھی اسٹاک ایکسچینج کے بورڈ نے فیصلہ دیا ہے۔ اس کا جواب سن کر مجھے دھچکا سا لگا۔ پچھلے دس برسوں میں کل سولہ ہزار کیس شیئرز کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے خلاف رجسٹر کرائے گئے جن میں سے ایک کیس میں بھی کسی کمپنی کے خلاف فیصلہ نہیں آیا۔

چھوٹے سرمایہ کاروں کو لوٹنے کے یہی وہ معاملات تھے جنہیں سامنے رکھتے ہوئے سپریم کورٹ نے ایکشن لیا۔ چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری مارچ 2005 میں سٹاک ایکسچینج میں پاکستان کی تاریخ کے بدترین کریش سے متاثرہ درجنوں افراد سے درخواستیں ملنے کے بعد معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے اور اس سکینڈل کو بے نقاب کرنے کیلئے سوموٹو ایکشن لینے والے تھے۔ اس سکینڈل کے مرکزی کرداروں میں اعلیٰ حکومتی شخصیات کے علاوہ عارف حبیب سکیورٹیز، عقیل کریم، ڈی جی ایم سکیورٹیز، جہانگیر صدیقی، اور ایس سی سکیورٹیز کے علاوہ کئی حکومتی اداروں میں بیٹھے ذمہ دار افراد شامل تھے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ ساری صورتحال چیف جسٹس کے علم میں آ چکی تھی اور اس سے قبل کہ وہ کوئی ایکشن لیتے، ان کے خلاف ریفرنس دائر کر کے انہیں منصب سے ہٹا دیا گیا۔

پی ٹی سی ایل سکینڈل



پی ٹی سی ایل (PTCL) سکینڈل

پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن کارپوریشن لمیٹڈ (PTCL) کی انتہائی کم قیمت پر فروخت ملکی تاریخ کا ایسا سکینڈل ہے جس کی نظیر اس لئے بھی نہیں ملے گی کہ دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک میں پاکستان واحد ملک ہے جہاں ایک منافع بخش ادارے کو اونے پونے داموں فروخت کر کے من پسند افراد کو نوازا گیا ہو۔ پی ٹی سی ایل کی فروخت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ ایک تو حساسیت اور ہمہ گیر نوعیت کے پیش نظر اس ادارے کی نجکاری کی ہر سطح پر مخالفت کی گئی جبکہ اس کی فروخت سے ملکی خزانے کو ہونے والا نقصان قومی اداروں کی نج کاری میں سب سے زیادہ ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پی ٹی سی ایل کی نج کاری سے قومی خزانے کو کم از کم ڈیڑھ کھرب ارب کا نقصان ہوا۔ یہ تخمینہ بھی حتمی نہیں ہے کیونکہ پی ٹی سی کے اثاثوں کا اندازہ لگانا بھی آسان کام نہیں ہے۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کے جرنیلی دور میں حکومت پی ٹی سی ایل کی فروخت کی مخالفت ہر سطح پر کی گئی۔ پی ٹی سی ایل لائنز (Lions) سٹاف یونین نے ملک گیر ہڑتالیں اور مظاہرے کئے لیکن بھاری تعداد میں یونین لیڈروں اور ورکروں کی گرفتاریاں، مختلف مراعات کے اعلانات کے ذریعے ملازمین میں پھوٹ ڈالنے اور فوج کے ذریعے اہم شہروں میں پی ٹی سی ایل کا کنٹرول

سنبھال لینے کے بعد بالآخر حکومت اس کی نجکاری میں کامیاب ہوگئی۔ یہ سارا کام اسلحہ کے زور پر کیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر اسلحہ کے زور پر یہی کام سویلین افراد کرتے تو یہ قانون کی خلاف ورزی تھی لیکن چونکہ یہ کام وردی والوں نے کیا تھا اس لئے یہ قانونی بن گیا۔

پی ٹی سی ایل، فروخت سے پہلے!

پی ٹی سی ایل فروخت سے پہلے ملک کا منافع بخش ادارہ سمجھا جاتا تھا۔ جس کی ملک بھر میں 25 لاکھ 70 ہزار سے زیادہ ٹیلی فون لائنیں تھیں۔ اس کا سرمایہ (Equity) 84 ارب 60 کروڑ تھا جبکہ اس کے اثاثوں کی مالیت 141 ارب 59 کروڑ 50 لاکھ روپے بنتی تھی۔ یہ ادارہ دن بدن ترقی کر رہا تھا۔ اس کے ذیلی اداروں میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن موبائل لمیٹڈ (U-Phone) اور پاک نیٹ (Paknet) شامل ہیں ۔ پاک نیٹ ملک بھر میں انٹرنیٹ سروس مہیا کرنے والا سب سے بڑا ادارہ ہے اور اس کی مختلف شہروں میں اجارہ داری قائم ہے۔ پی ٹی سی ایل کے 65 ہزار ملازمین تھے اور ان ملازمین کی موجودگی میں پی ٹی سی ایل نے 2004ء میں 29 ارب 16 کروڑ 90 لاکھ روپے خالص سالانہ منافع کمایا جو ایک ریکارڈ ہے۔

فروخت کے منصوبے:

پی ٹی سی ایل کے اس منافع کو دیکھ کر بہت سی کمپنیوں کی رالیں ٹپکنے لگیں اور وہ سازشیں کر کے پاکستان کے اس سب سے بڑے ٹیلی کمیونیکیشن ادارے کی خریداری کے لئے متحرک ہو گئے۔ پی ٹی سی ایل یونین کو شروع سے ہی ادارے کی فروخت پر اعتراضات تھے اور ان کے اعتراضات جائز بھی تھے۔

پی ٹی سی ایل کی خریداری کے لیے 9 ملکی اور غیر ملکی پارٹیوں نے اپنی اہلیت (Per Qualification) ثابت کی۔ تاہم نیلامی میں حصہ لینے کیلئے صرف تین پارٹیوں نے 40 ملین ڈالر یعنی 2.40 ارب روپے فی پارٹی زر بیعانہ (Earnest Money) جمع کرایا۔ یہ تین پارٹیاں متحدہ عرب امارت کی اتصالات (Etisalat)، ہانگ کانگ

کی China Mobil اور سنگاپور کی Singtel شامل تھیں۔

حکومت کی طرف سے 18 جون 2005ء کو پی ٹی سی ایل کی نیلامی میں متحدہ عرب امارات کی کمپنی اتصالات نے پی ٹی سی ایل کے 26 فیصد شیئرز کیلئے 1.96 ڈالر فی شیئر کے حساب سے زیادہ سے زیادہ پیش کش کر دی جسے حکومت نے قبول کر لیا۔ باقی دونوں کمپنیوں کی پیش کشیں بہت کم تھیں اس طرح 26 فیصد شیئرز 2.6 ارب ڈالر ادا کرنے کے عوض اتصلات پی ٹی سی ایل کا کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نج کاری سے پہلے اس قسم کی اطلاعات سامنے آ رہی تھیں کہ حکومت پی ٹی سی ایل کا کنٹرول اتصالات کو سونپنا چاہتی ہے۔ اس کی تردید بھی سامنے نہیں آئی جس سے ان شکوک وشبہات جنم لیا کہ شائد اس بات کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا کہ حکومت پی ٹی سی ایل کا کنٹرول اتصالات کو ہی سونپنا چاہتی ہے۔

پی ٹی سی ایل کی نج کاری کے فیصلے کی رو سے کامیاب خریدار کے لئے لازمی تھا کہ وہ بولی منظور ہونے کے 30 دن میں 10 فیصد جبکہ باقی 90 فیصد رقم مزید 60 دن میں ادا کرے۔ اتصالات کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں تھا۔ اتصالات نے 29 جون 2005ء کو یو اے ای سے 220 ملین ڈالر کی رقم نیشنل بنک آف پاکستان میں جمع کروا دی۔ نیشنل بنک نے اگلے ہی دن یعنی 30 جون کو یہ رقم سٹیٹ بنک آف پاکستان میں جمع کروا دی۔ 40 ملین ڈالر کے زر بیعانہ سمیت بولی کی رقم کا دس فیصد سٹیٹ بنک آف پاکستان کو وصول ہوتے ہی اتصالات پی ٹی سی ایل کا مالک بن تو گیا لیکن ابھی ایک اور مرحلہ باقی تھا یعنی باقی 90 فیصد رقم بھی جمع کروانی تھی اور اسکی مدت صرف تیس دن تھی۔

اتصالات گروپ کے کاروباری حجم کا جائزہ لیا جائے تو یہ رقم اس کے لئے جمع کروانا کوئی مشکل نہیں تھی لیکن اتصالات ایسا نہ کر سکا۔ کہا جاتا ہے کہ اتصالات نے ایسا جان بوجھ کر کیا اور رقم جمع نہ کروائی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اتصالات چاہتی تھی کہ حکومت پاکستان سے کچھ مزید رعایتیں حاصل کی جائیں۔

مزید ساٹھ دن گزرنے کے باوجود بھی معاہدے کی شرائط کے مطابق اتصالات باقی نوے

فیصد رقم جمع کروانے میں ناکام ہوگئی۔ اصولی طور پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ معاہدہ کینسل کر دیا جاتا اور اس حوالے سے معاہدے کی قانونی شقوں کی پاسداری کی جاتی لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ پاکستانی حکام یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ پی ٹی سی ایک کو اتصالات کی ہی جھولی میں ڈالنا ہے، چاہے اس کے لئے پاکستان کے قومی خزانے کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اتصالات کو رقم جمع کرانے کے لئے مزید ساٹھ دن کی مہلت دی گئی لیکن وہ اس پر بھی پوری نہ اتری۔ پاکستانی حکام کی فیاضی دیکھیں انہوں نے اتصالات کو مزید مہلت دے دی۔ اس موقع پر اتصالات نے معاہدے کی پاسداری چھوڑ دی اور حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو ان کی پیش کش یعنی 2.6 ارب ڈالر میں خاطر خواہ کمی کی جائے یا پوری رقم ادا کرنے کیلئے پانچ سال کا وقت دیا جائے۔ اتصالات نے حکومت کو کہا کہ بقیہ رقم پانچ سال کی مدت میں سالانہ قسطوں کی صورت میں وصول کی جائے۔

اتصالات کا مطالبہ پی ٹی سی ایل کی فروخت کے معاہدے کی مکمل خلاف ورزی تھا۔ اس موقع پر اتصالات نے اعلیٰ سطح پر مذاکرات کا سلسلہ شروع کر دیا اور صدر جنرل پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز کو اپروچ کر کے انہیں اپنی شرائط ماننے پر مجبور کر دیا۔

یہ تفصیلات آج تک سامنے نہیں آسکیں کہ اتصالات نے صدر اور وزیراعظم کو کیسے راضی کیا؟ کہ وہ بھی اتصالات کا مطالبہ ماننے پر مجبور ہو گئے حالانکہ اس میں پاکستان کو نقصان ہو رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت صدر جنرل پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز نے مداخلت کر کے ''پراسرار رازداری'' سے اتصالات کی یہ شرائط بھی تسلیم کر لیں۔ اس طرح اتصالات نے دسمبر 2005ء کو محض 15 ارب 60 کروڑ روپے ادا کر کے اس ادارے کا مکمل کنٹرول حاصل کر لیا جس نے نیلامی سے ایک سال پہلے یعنی 2004ء میں 29 ارب 16 کروڑ 90 لاکھ روپے سالانہ یعنی خریداری کیلئے دی جانے والے رقم سے دوگناہ منافع کمایا تھا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جنرل پرویز مشرف اور شوکت عزیز نے پاکستان کے لئے سونے کی یہ کان اتصالات کے حوالے کیوں کی؟ اور آخری وقت میں مداخلت کر کے اتصالات کے ناجائز مطالبات کیوں

تسلیم کئے؟

اطلاعات کے مطابق اتصالات کو فائدہ پہنچانے کا کھیل یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ بعد میں بھی ہماری اعلیٰ ترین شخصیات پاکستان کے لئے سوچنے کی بجائے صرف اور صرف اتصالات کے لئے سوچتی رہیں کہ اتصالات کو کس طرح فائدہ پہنچایا جائے۔ پرویز مشرف کی حکومت نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مارچ 2006ء میں حکومتی نمائندوں کی اتصالات کے افسران کے ساتھ ایک میٹنگ ہوئی جس کے بعد حکومت پی ٹی سی ایل کے 30 ہزار ملازمین کو رضا کارانہ علیحدگی سکیم یعنی گولڈن ہینڈ شیک سکیم کے تحت فارغ کرنے کیلئے 15 ارب روپے قومی خزانے سے ادا کرنے پر بھی راضی ہوگئی۔

پی ٹی سی ایل کی فروخت کے خلاف ملک بھر شدید ردعمل سامنے آیا اور مطالبہ کیا گیا کہ اس ادارے کی نج کاری نہ کی جائے لیکن پی ٹی سی ایل کی فروخت کا فیصلہ کرنے والوں کے کانوں پر جوں کی نہ رینگی۔ ملازمین نے ہڑتالوں اور مزاحمت کا اعلان کر دیا تو ایسا بھی پہلی بار ہوا کہ پاکستان میں کسی ادارے کی نج کاری کے لئے رینجرز کو استعمال کیا گیا۔ ملک بھر کی پی ٹی سی ایل ایکسچینجوں پر رینجرز کا پہرہ بیٹھا کر ملازمین کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ پی ٹی سی ایل کے تمام دفاتر کئی ماہ تک رینجرز کے پہرے میں رہے اور اس پہرے میں حکومت ملک کے اس منافع بخش ادارے کی نج کاری میں کامیاب ہوگئی۔

نج کاری عدالت میں!

اتصالات نے پی ٹی سی ایل کی خریداری میں حکومت کے ساتھ معاہدے کی جس طرح دھجیاں اڑائیں، اس کی ماضی میں نظیر ملنی مشکل ہے۔ 25 مئی 2006ء کو پی ٹی سی ایل لائنز سٹاف یونین نے پی ٹی سی ایل کی نجکاری کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ اپنی درخواست میں سٹاف یونین نے وفاقی کابینہ کی نجکاری کمیٹی (Cabinet committee on privatization) کی معرفت وفاقی حکومت، نجکاری کمیشن، سیکرٹری نجکاری کمیشن، سیکرٹری

وزارت انفارمیشن ٹیکنالوجی، چیئرمین پی ٹی سی ایل، اتصالات انٹرنیشنل پاکستان کے عبدالرحیم النوریانی (Al Nooryani)، پی ٹی سی ایل کے صدر محمد عبد اللہ بامرکھما (Bamakhrama) اور سینئر وائس صدر سالم الاکبری (Salam Al Akebari) کو فریق بنایا۔ پی ٹی سی ایل لائنز سٹاف یونین نے پٹیشن میں یہ موقف اختیار کیا کہ اتصالات کی طرف سے فروخت کے معاہدے پر عمل درآمد میں ناکامی کے نتیجے میں بولی منسوخ کرنے کی بجائے۔ نجکاری کمیشن نے مشکوک انداز میں ادائیگی کو پانچ سال کی مدت پر پھیلا دیا۔ اس حوالے سے یہ نجکاری خفیہ سودے بازی (Secret Deal) بن کر رہ گئی ہے۔ چونکہ نجکاری کا یہ سارا عمل خفیہ اور مشکوک ہونے کی وجہ سے آئینی تقاضوں کے خلاف ہے اس لیے نجکاری کے سارے عمل اور پی ٹی سی ایل کی انتظامیہ اور اثاثے اتصالات کے کنٹرول میں دینے کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا جائے۔ پی ٹی سی ایل لائنز سٹاف یونین کا موقف اپنی جگہ مضبوط تھا۔ سپریم کورٹ نے سماعت کے بعد پٹیشنر کو Lower court میں جانے کی ہدایت کی۔ اس ہدایت پر عمل درآمد کرتے ہوئے پی ٹی سی ایل لائنز سٹاف یونین نے سندھ ہائی کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا جس نے تین سماعتوں کے بعد 16 اپریل 2007ء کو پی ٹی سی ایل کے اثاثے اتصالات کو منتقل کرنے کے خلاف حکم امتناعی (Stay order) جاری کر دیا۔ لیکن اس فیصلے پر عمل درآمد نہ ہوا۔ اس وقت تک اتصالات بھی پی ٹی سی ایل پر اپنا ''قبضہ'' مضبوط کر چکی تھی۔ چنانچہ کچھ نہ ہو سکا۔

پی ٹی سی ایل اتصالات کے قبضے میں!

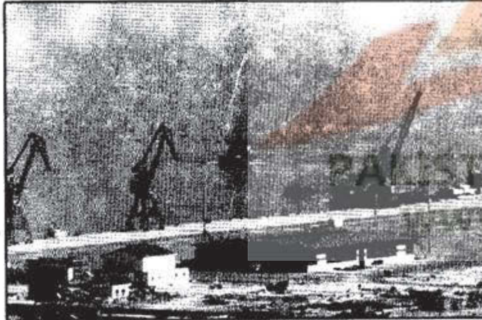
اتصالات نے پی ٹی سی ایل پر ''قبضہ'' کرتے ہی پاکستان کے غریب کے عوام کی جیبوں کو خالی کروانے کے لئے کئی پاکستانی عوام دشمن اقدامات کئے۔ صارفین پر ایک اور اضافی مالی بوجھ اس طرح ڈالا گیا کہ 17 پر مفت کال کی سہولت ختم کر دی اور اس پر پیسے چارج کئے جانے لگے۔ جب تک پی ٹی سی ایل کا کنٹرول پاکستانی ہاتھوں میں تھا اس وقت تک پی ٹی سی ایل ڈائریکٹری 17 (انکوائری) پر کوئی کال چارج نہیں تھے لیکن اتصالات نے آتے ہی پی ٹی سی ایل کا انکوائری نمبر کو 17 سے تبدیل کر کے 1217 کر دیا اور یکم جون 2008ء سے 1217 پر کال کرنے کے پیسے وصول کرنے شروع کر دیئے۔ پی ٹی سی ایل کے صارفین نے اس پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب سے پی ٹی سی ایل کا انتظام نجی شعبے کے حوالے کیا گیا ہے مسلسل صارفین پر بوجھ ڈالا جا رہا ہے اس سے قبل پی ٹی سی ایل نے دو منٹ دورانیے پر مشتمل لوکل کال دو روپے کر دی جس کے باعث صارفین کے بل میں سینکڑوں روپے کا اضافہ ہو گیا ہے۔

جب پی ٹی سی ایل کی نجکاری کی تیاریاں کی جا رہی تھیں تو پی ٹی سی ایل کا سٹاف ایک تحریک کی صورت میں سراپا احتجاج بن گیا اور نجکاری کے اس عمل کو مکمل طور پر مسترد کر دیا لیکن اس کے باوجود حکمران بضد تھے کہ نجکاری ہی خوشحالی کی واحد ضمانت ہے۔ حکمرانوں کے اس دعویٰ کی اس وقت دھجیاں اڑ گئیں جب سٹاف کو عید ایوارڈ ملا۔ عید پر 2004ء میں سٹاف کو ملنے والی کم سے کم ملنے والی رقم -/13000 روپے تھی جو پچھلے چند سالوں سے بڑھتی جا رہی تھی جیسے اس سے قبل -/12000، -/11000 اور بالترتیب ایسے ہی رہی تھی۔ اس مرتبہ اسے چودہ پندرہ ہزار ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے برعکس اس مرتبہ یہ رقم -/11800 روپے لوگوں کو دی گئی ہے۔ ہر چھوٹی عید پر ملنے والی رقم اس مرتبہ پرائیوٹائزیشن کمیشن کی منظوری کے بعد بڑی عید پر جا کر لوگوں کو بڑھوتری کی بجائے کٹوتی کے ساتھ دی گئی۔ اس کا جواز یہ دیا گیا کہ ادارے کے منافع میں 9 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ صاف واضح ہے کہ منافع میں کمی سٹاف کی وجہ سے نہیں بلکہ حکمرانوں کی پالیسیوں کی بناء پر ہوئی ہے۔

پی ٹی سی ایل کی اتصالات کو فروخت ملکی تاریخ کا ایسا بڑا سکینڈل ہے کہ جب بھی بے ضابطگیوں اور غیر ملکی کمپنیوں کو نوازنے کی تاریخ لکھی جائے گی تو پی ٹی سی ایل کا نام سب سے سر فہرست ہوگا۔ حکومت نے اتصالات سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے انحراف کرنے کے باوجود اتصالات کو بہت زیادہ رعایتیں دی گئیں۔ ریاست اور حکمران اتنے مجبور تھے کہ ان کی ہر شرط اور رعایت کو ماننے کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی چارہ بھی نہیں تھا، چاہے وہ بورڈ آف ڈائریکٹرز میں زیادہ اختیارات لینے کا معاملہ ہو یا پیسوں کی یکمشت ادائیگی کی بجائے اقساط میں ادائیگی کی

سہولت ہو، ان حکمرانوں نے اتصالات کے مالکان کے تلوے چاٹ چاٹ کر انہیں یہ تمام رعایتیں دیں۔ان میں سے بہت ساری شرائط ابھی تک منظر عام نہیں آسکی ہیں لیکن جب آئیں گی تو وہ ایک نئے بھونچال کا باعث ضرور بنیں گی۔

گوادر سکینڈل



گوادر سکینڈل

گوادر کی وسیع وعریض بندرگاہ تاحدِ نگاہ دامن پھیلائے ہوئے نیلے سمندر کی خاموش لہروں کے شور اور پرندوں کی چیخوں سے منتشر ہوتی ہے یا پھر 20 مارچ 2007 کو ریٹائرڈ جنرل پرویز مشرف کی افتتاح کے لئے آمد سے مضطرب ہوئی تھی۔ بڑے ڈھول ڈھمکوں اور زور شور سے ہونیوالا وہ افتتاح اس امر کا غماض تھا کہ گوادر کی بندرگاہ وسط ایشیائی ریاستوں کیلئے ایک ترقی اور خوشحالی کا صدر دروازہ ثابت ہوگی، مگر افسوس کہ اس وقت سے اب تک صرف اور صرف ایک مال بردار جہاز لنگر انداز ہوا ہے اور سب کی سب مشینیں آسمان کی طرف منہ اٹھائے ویسے کی ویسے ہی کھڑی ہیں۔

جیسے ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور ہوتے ہیں اور پھر کسی سفید ہاتھی کو جیسے پالنا اور زندہ سلامت رکھنا انتہائی مشکل امر ہے یہی حال گوادر بندرگاہ کا ہے جیسے دوبئی بنادیئے جانے کے نام پر بیوپاریوں کو چاندی ملی ہے اور ان زمینوں کے مالکان اور خریداروں کو راکھ ملی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں کہیں بھی اتنی بڑی جعلسازی اور دھوکہ دہی نہیں ہوئی ہے جتنی صوبہ بلوچستان کی اس بے بخت بندرگاہ گوادر کی قسمت میں لکھی گئی ہے اور اُن میں وزراءاعظم سے لیکر وفاقی اور صوبائی وزراء، سیاستدان، فوج کے جرنیل، بیورکریسی اور صنعت کاروں اور سرمایہ کاروں سمیت سب شامل ہیں۔

گوادر، ماضی اور حال:

گوادر کی بندرگاہ ایران کی سرحد کے قریب خلیج عمان کے دہانے پر واقع ہے۔ کسی دور میں یہ علاقہ سلطنت عمان کا حصہ ہوا کرتا تھا لیکن پاکستان کے سابق وزیراعظم فیروز خان نون کی حکومت نے اس علاقے کی جغرافیائی اور عسکری اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ستمبر 1958 میں اسے سلطنت عمان کے سلطان سید بن تیمور سے تین ملین پاؤنڈ میں خرید کر پاکستان میں شامل کرلیا۔ اس سے پاکستان کی جغرافیائی حدود میں اضافہ ہوا اور پاکستان عسکری اعتبار سے بھی مضبوط ہوگیا۔ اس کے علاوہ گوادر کی وجہ سے پاکستان کی اہمیت اجاگر ہوئی کیونکہ مستقبل میں یہ علاقہ پاکستان کو مزید مستحکم کرنے کا باعث بنتا تھا۔

وزیراعظم محمد نواز شریف نے اس چھوٹے سے ساحلی علاقے کو سمندری تجارت کے ایک بڑے ایشیائی مرکز میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ 1991 میں انہوں نے گوادر کو ایک ایسی بندرگاہ میں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی جس میں بنگلہ دیش، سری لنکا، مشرقی افریقہ، متحدہ عرب امارات، کویت، ایران، عراق کی بندرگاہوں اور افغانستان، تاجکستان، کرغستان، ازبکستان، ترکمانستان اور قازقستان اور دیگر مشرقی یورپ کے ممالک کی تجارتی نقل و حمل میں مکمل مدد فراہم کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ ان کا یہ منصوبہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔

بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت میں بھی گوادر میں کام ہوا لیکن اس کی رفتار قدرے سست رہی۔ نواز شریف جب دوسری بار اقتدار میں آئے تو انہوں نے جولائی 1997 میں 24 بلین ڈالر کی خطیر لاگت سے گوادر کے علاقے کو بندرگاہ میں تبدیل کرنے کے منصوبے کا آغاز کیا جس کی تعمیر دو مرحلوں میں مکمل ہونا تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ''اومارا، اتھل اور حب'' کے راستے ''گوادر تا کراچی'' شاہراہ کی تعمیر کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا۔ 17 جولائی 1998 کو پلاننگ کمیشن نے گوادر ڈیپ واٹر پورٹ پروجیکٹ کے پی سی 1 کی منظوری دیتے ہوئے پہلے مرحلے کے لیے 200 ملین ڈالر کی رقم مختص کی اور حتمی منظوری کے لیے منصوبے سے متعلق فائل قومی اقتصادی کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی کو بھیج دی۔ سینیٹ میں ایک قرارداد کے ذریعے گوادر پورٹ اور اس سے ملحقہ دیگر منصوبوں کی منظوری کے بعد جس میں منصوبے پر بلاتاخیر کام شروع کرنے کی

ضرورت پر زور دیا گیا۔ 14 مئی 1999 کو قومی اقتصادی کونسل نے اس منصوبے کی حتمی منظوری دے دی۔ گوادر پورٹ منصوبے کا پہلا مرحلہ 600 میٹر لمبی گودی، مال برداری کے لیے 300 میٹر لمبی ایپرن، 250 میٹر اضافی علاقہ، بحری جہازوں کی آمد و رفت کے لیے 5 کلومیٹر لمبا اور 10.4 میٹر گہرا آبی راستہ، جہازوں سے سامان اتارنے کے لیے تمام قسم کے ساز و سامان سے مزین کھلے اور ڈھکے ہوئے گوداموں اور ایک بڑی بندرگاہ کے شایان شان دیگر تمام سہولیات پر مشتمل تھا۔

جون 1999 میں حکومت نے گوادر میں عظیم شہر بنانے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے چار لاکھ ایکٹر رقبے پر مشتمل علاقے مختص کیا۔ اپنے ان منصوبوں پر عمل درآمد کیلئے وزیراعظم نے مواصلات کے وفاقی وزیر راجہ نادر پرویز کو بیجنگ بھی بھیجا جنہوں نے گوادر پرجیکٹ اور مکران کوسٹل ہائی وے جیسے بڑے منصوبوں پر چینی حکومت سے مذاکرات کئے۔ نتیجتاً ''گوادر ڈویلپمنٹ سیل'' اور ''چائنا ہاربر انجینئرنگ کارپوریشن'' نے 16 ستمبر 1999ء کو گوادر بندرگاہ کے پہلے مرحلے کی تعمیر سے متعلق ایک معاہدے پر دستخط کئے۔ 12 اکتوبر کو نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالا۔ جنرل مشرف کے ابتدائی سالوں میں گوادر کے منصوبے پر کوئی خاص کام نہ ہوسکا تاہم بعد ازاں انہوں نے بھی اس منصوبے کی اہمیت اور افادیت کو سمجھ لیا اور دوبارہ زور و شور سے گوادر کی ترقی اور اسے خطے کی اہم بندرگاہ بنانے کے منصوبے پر کام شروع ہوگیا۔

جوں جوں گوادر میں ترقی اپنا اثر دکھانے لگی، اسی طرح لوٹ کھسوٹ، کرپشن اور بے ضابطگیوں کا بھی ایسا بازار گرم ہوا جو رکنے میں ہی نہیں آرہا۔

زمینوں کی الاٹمنٹ میں کرپشن:

گوادر میں اس وقت زمینوں کی الاٹمنٹ میں جو کرپشن اور بے ضابطگیاں ہو رہی ہیں اتنی کہیں نہیں ہو رہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ پلاٹ ایک ہے اور مالک دس ہیں۔ یہ صورتحال صرف

واحد پلاٹ رکھنے والوں کی نہیں ہے بلکہ ہزاروں ایکڑ سرکاری اراضی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔تحصیلداروں اور ایگزیکٹوڈ سٹرکٹ افیسروں EDO,s کی ملی بھگت سے ایک ایک پلاٹ کے دس دس مالک اور دس دس خریدار پیدا ہوتے چلے گئے اور 20اکتوبر 2006ء کو جب سپریم کورٹ کوئٹہ بنچ کی طرف سے جانچ پڑتال کے آرڈرز آئے تو بھی کرنسی زندہ باد رہی۔ممبر قومی اسمبلی شکیل بلوچ کے مطابق 1992ء سے یہ دھندہ عروج پر ہے اور اسکی روح رواں پٹواری نام کی شخصیت ہی ہے جس نے رہائشی اور صنعتی علاقوں کی تخصیص میں اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو ڈالا اور پھر آگے لاہور اور کراچی کے سرمایہ کاروں کو وہ سب کچھ پیش کر دیا۔ بمطابق قانون دیوانی، جو شخص بارہ سال تک وہاں کی زمین پر کاشتکاری نام کا ڈرامہ رچائے رکھتا ہے، وہ بالآخر مالک بن جاتا ہے، اس ڈرامہ گیری کو بہت سے مقامی افراد نے عدالتوں میں گھسیٹا بھی مگر کرنسی کی کاٹ سے کٹ کر رہ گئے۔گوادر کے ایک مقامی وکیل امجد بلوچ کے مطابق پٹواری سے لیکر اوپر تک کے حکومتی افسران کیلئے گوادر کی زمینوں کو نہری، سیلابی اور بارشی حوالوں سے کھیتونیوں میں ردوبدل کر کے بدعنوانیوں کی بھینٹ چڑھانا بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے۔سو لٹنے والے روتے رہے اور لوٹنے والے قہقہے لگاتے رہے۔

مثال کے طور پر گوادر میں ندیم احمد، نام کے ایک سرمایہ کار نے سینکڑوں ایکڑ اراضی خرید رکھی ہے مگر کاغذات میں وہ وہاں کے ایک سابقہ کسان کی حیثیت سے مالک بنا ہوا ہے۔کاغذات میں ہی کہیں وہ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی کا رہائشی بھی درج ہے۔"بعض صحافیوں" نے جب دوعدد نائب تحصیلداروں سے ندیم احمد کے بارے میں معلومات چاہیں تو انہوں نے اس کی نمک حلالی کا خوب ثبوت دیا اور کچھ نہیں بتایا۔مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ آج سے بارہ، پندرہ سال پہلے یہ شخص کراچی سے گوادر زمینوں کا دلال، ایجنٹ اور بیوپاری بن کر آیا تھا، پھر فرنیٹروکس آرگنائزیشن، کنسٹرکشن کمپنی کا مالک بن گیا، بعدازاں اس نے ایک آئس کریم انڈسٹری قائم کر لی ار پھر دیکھتے ہی دیکھتے گوادر کے آسمان پر چھا گیا۔باہر سے آنیوالوں کے پاس پیسہ تھا اور مقامی افراد کے پاس بھوک، ادل بدل بھی خوب ہوا مگر مقامی افراد بھوکے کے بھوکے ہی رہے اور بیرونی

عناصر اپنے آپ سے باہر ہوتے چلے گئے۔

گوادر ہی کے گردونواح میں 2001ء میں "گولڈن پام پراجیکٹ" کے نام سے شروع کیے جانیوالے رہائشی منصوبے کیلئے حاصل کی گئی ہاشو گروپ کی ایک ہزار ایکڑ اراضی کا ڈرامہ بھی خاص دلچسپ ہے۔چونکہ تحصیلدار سطح کے افسران وغیرہ ہزاروں ایکڑ اراضی بنجر قرار دیکر بحق سرکار ضبط کر کے لاکھوں کماتے چلے آرہے تھے لیکن سرکار ہی نے اُن بداعمالیوں کی چھان بین شروع کی تو میر خداداد نام کے ایک بلوچی سردار نے 1990ء کی دہائی میں بھاری رشوت دیکر چار ہزار چالیس ایکڑ اراضی اپنے نام کرالی جس میں ہاشو گروپ والی ایک ہزار ایکڑ اراضی بھی شامل تھی۔بعدازاں ڈپٹی کمشنر گوادر کے حکم پر وہ ڈرامہ بازی رک تو گئی مگر عدالت میں مقدمہ متحرک رہا۔اس دوران میر خداداد خاں وفات پا گیا تو اُسکی بیوی زہرہ بائی سامنے آگئی، ساتھ ہی اس کا لڑکا میر نذر بھی اُس اراضی پر کوئی ہاؤسنگ پراجیکٹ بنانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا، لیکن اسے اشاروں کنائیوں سے ہی بٹھا دینا نیب کیلئے آسان تھا۔

نیب میر نذر کو من گھڑت قسم کی انکوائریوں کیلئے سردی کی راتوں میں کراچی سے کوئٹہ طلب کرتی رہی اور سارا سارا دن بٹھائے رکھتی۔اس دوران زہرہ بائی سپریم کورٹ سے اپنے خاوند خداددوالا مقدمہ ہار گئی، زمینیں حکومت کی ملکیت میں چلی گئیں مگر میر نذر نے ان خراب حالات کے باوجود کسی نہ کسی طرح ہاشو گروپ کے ہاتھ اس متنازعہ اراضی میں سے ایک ہزار ایکڑ بیچ ڈالی۔مگر سپریم کورٹ کا سایہ اپنے فیصلوں پر منڈلاتا رہا جس سے ڈرتے ہوئے ہاشو گروپ نے ایک لاکھ فی ایکڑ حکومت کو دینے کا کہہ دیا۔

شکیل احمد ایڈووکیٹ کے مطابق بہت سے مالکان کے جھگڑے تو پاکستان نیول فورسز وغیرہ سے چل پڑے تھے کیونکہ پاک نیوی کو بلوچستان گورنمنٹ نے 1584ایکڑ زمین فراہم کی تھی جہاں اُس نے اپنی حدود مقرر کر کے اپنی تعمیرات شروع کیں تو چند شکائیت کنندگان اٹھ کھڑے ہوئے کہ اُنکے آباؤاجداد کی زمینیں بیچ میں آگئی ہیں۔کافی لمبی چوڑی بحث تمحیص کے بعد عدالت عالیہ اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ ساری کی ساری مصیبتیں وفاقی اور صوبائی اہلکاروں کی کھڑی کی ہوئی ہیں،

جس کے نتیجے میں وہاں کے عوام کا قلم پر سے ایمان اٹھ کر بندوق پر جم گیا ہے کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

22 جنوری 2007ء کو مسمات زہرا بی بی کی دو مختلف درخواستوں پر سپریم کورٹ نے صوبائی حکومت کی طرف سے گوادر میں 2 لاکھ 41 ہزار 6 سو ایکڑ سرکاری زمین کی الاٹمنٹ منسوخ کر دی۔ یہ زمین فوجیوں، وزیروں، قومی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان، سینٹ کے ارکان، عدلیہ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز دوسری شخصیات کو رہائشی اور صنعتی پلاٹوں کی صورت میں الاٹ کی گئی تھی۔ ایڈووکیٹ جنرل نے عدالت کو بتایا تھا کہ گوادر میں سرکاری زمین 2 لاکھ 66 ہزار 6 سو ایکڑ پر مشتمل ہے جس میں سے 25 ہزار ایکڑ سرکاری زمین حکومت کے پاس موجود ہے۔ اس پر بلوچستان سے تعلق رکھنے والے سپریم کورٹ کے سینئر جج جسٹس جاوید اقبال نے بتایا کہ یہ 25 ہزار ایکڑ محض کھڈے (ditches) ہیں۔ عدالت کے سامنے یہ حقائق آئے کہ صوبائی حکومت نے اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے موثر اور من پسند لوگوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے زمین الاٹ کی۔

اس موقع پر صوبائی حکومت نے ایک اور کھیل کھیلا اور عدلیہ کو خوش کرنے کے لئے 26 ستمبر 2006ء کو ایک آرڈر کے ذریعے حاضر سروس اور ریٹائرڈ ججوں کیلئے گوادر فیز 5 میں 50 پلاٹ مختص کر دیئے۔

یہ حقائق سامنے آنے کے بعد سپریم کورٹ نے اس امر کا نوٹس لیتے ہوئے یہ الاٹمنٹ منسوخ کر دی۔ چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں 9 رکنی بنچ میں جسٹس جاوید اقبال، جسٹس سید سعید الاشہد، جسٹس عبدالحمید ڈوگر، جسٹس سردار رضا محمد خان، جسٹس افتخار محمد چودھری شامل تھے جبکہ خلیل الرحمٰن رمدے، جسٹس محمد نواز عباسی، جسٹس میاں شاکر اللہ جان اور جسٹس ناصر الملک اس کے ارکان تھے۔ کھربوں روپے کی سرکاری زمین من پسند افراد کو غیر قانونی طور پر الاٹ کرنے والی صوبائی حکومت جنرل پرویز مشرف کی حامی تھی۔ اسی لیے اسکی کرپشن کا نہ نیب نے نوٹس لیا اور نہ کسی اور متعلقہ ادارے نے۔ یہ ہمت کوئی نہ کر سکا کیونکہ سب

جرنیلی دور میں روا رکھے جانے والے سلوک سے ڈرتے تھے۔ یہ ہمت ایک بوڑھی خاتون مسمات زہرا بی بی نے کی اور ان کے اس فعل سے کھربوں روپے غیر حقدار لوگوں کی جیبوں میں جانے سے بچ گئے۔

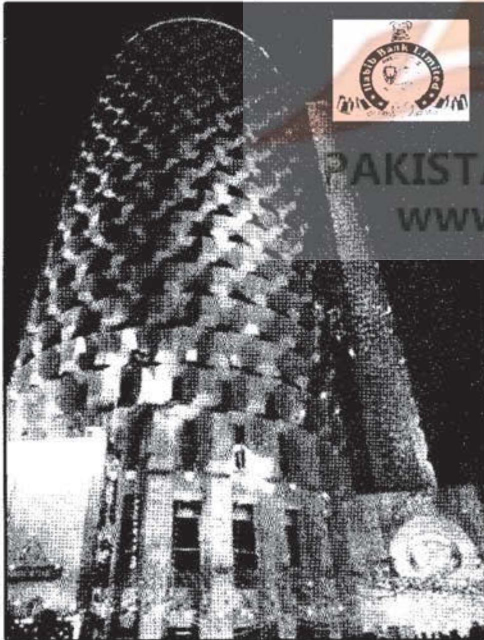
ٹھیکے میں کرپشن:

یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے سنگاپور اتھارٹی کو کھلے عام بولی (Open Bid) کے بغیر گوادر بندرگاہ چلانے کا ٹھیکہ دیا تھا۔ حالانکہ پاکستانی انجینئر اور ماہرین کراچی میں پورٹ قاسم کو کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ اگر یہ بندگاہ پاکستانی انجینئروں اور ماہرین کے کنٹرول میں دی جاتی تو قوم کے اربوں روپے بچائے جا سکتے تھے۔

شوکت عزیز نے قومی خزانے کو دوہرا نقصان پہنچایا۔ ایک تو ایسی بندرگاہ جسے پاکستانی بھی آپریٹ کر سکتے تھے، سنگاپور اتھارٹی کو دے دی۔ دوسرا ظلم یہ کیا کہ سنگاپور اتھارٹی کو 40 سال کے لیے ٹیکس کی چھوٹ بھی دے دی۔ ورلڈ بنک اور ایشین ڈویلپمنٹ بنک نے بھی سنگاپور اتھارٹی کو چالیس سال کیلئے ٹیکسوں میں چھوٹ اور مشینری وغیرہ کی درآمد پر ٹیکسوں میں بھی چھوٹ دینے پر شدید اعتراض کیا۔ اتنے اہم منصوبے کو کوڑیوں کے بھاؤ اور اتنی زیادہ رعایتوں کے ساتھ ایک ایسی کمپنی کو دینا جو وہاں پہلے سال صرف 110 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے، سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اسی لیے اس میں بھاری کک بیک (kick back) کی بو محسوس ہوتی ہے۔ اس حوالے سے پرویز مشرف اور شوکت عزیز پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اربوں روپے کک بیک لے کر یہ ٹھیکہ دیا تھا۔ انہی وجوہات کو بنیاد بنا کر وطن پارٹی کے بیرسٹر ظفر اللہ خان نے 14 فروری 2007 کو گوادر بندرگاہ کا انتظام پی ایس اے کو دینے کے اقدام کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔

گوادر میں آج جو کچھ ہو رہا ہے، اسے دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ ترقی اور خوشحالی کا دور تو نہ جانے کب شروع ہوگا لیکن اس وقت تک بہت کچھ لٹ اور برباد ہو چکا ہوگا۔

حبیب بنک سکینڈل





حبیب بنک سکینڈل

29 دسمبر 2003ء کو پاکستان کی تاریخ کا ایسا بڑا مالیاتی سکینڈلز کا آغاز ہوا جس کی پاکستان کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ 570 ارب روپے کے حبیب بینک کو تقریباً ساڑھے بائیس ارب روپے میں فروخت کرنے سے فوجی حکومت نے آغا خان فنڈ کو کم از کم 548 ارب روپے کا فائدہ پہنچایا۔ یہ رقم پاکستان کے کل سالانہ بجٹ کا تقریباً 30 فیصد ہے۔ اس رقم سے لاہور، راولپنڈی موٹروے جیسی تقریباً 8 مزید موٹرویز بنائی جا سکتی تھیں۔ ہر شہری کو مفت تعلیم اور صحت کی سہولیات فراہم کی جا سکتی تھیں۔

آغا خان فنڈ برائے معاشی ترقی AKFED نے جب حبیب بینک کو خریدا تو اس کے اپنے اثاثہ جات صرف 90 ارب روپے یعنی ڈیڑھ ارب ڈالر تھے۔ ڈیڑھ ارب ڈالر والے ادارے کو 9.5 ارب ڈالر کا حبیب بینک صرف 389 ملین ڈالر میں فروخت کرنا ملکی تاریخ کا ایک بڑا مالیاتی سکینڈل ہے جس پر سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

بینکنگ سیکٹر کے اس بڑے مالیاتی سکینڈل کے بارے میں جاننے سے پہلے حبیب بنک کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

حبیب بینک لمیٹڈ نے بمبئی سے صرف 25000 ہزار کی رقم سے سے بینک کاری کی ابتدا کی تھی۔ 1945ء میں بنک کراچی پہنچا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کا ہیڈ آفس کراچی آ گیا اور

آج تک اسی جگہ اور انہی قدموں پر قائم ودائم ہے۔ 1974ء میں حکومت پاکستان کی قومیائی پالیسیوں کے تحت آ جانے کے بعد اور باوجود بھی اس کی گاہکی میں کمی نہ آ سکی۔ 1990ء کی دہائی میں سیاسی اثر ورسوخ کی بڑھوتری کے پیش نظر ایک ایسی نقصان دہ معاشی ہوا چلی جس نے نجکاری کا نام پایا اور جس سے دوسرے بہت سے اداروں کی طرح حبیب بینک لمیٹڈ بھی نہ بچ سکا، بلکہ بینک ہذا کی تو حالت یہ تھی کہ اس کی بیلنس کی درستگی کے لیے بینکنگ شق 3 کے تحت 8 بلین سٹیٹ بینک کو اس کے کھاتے میں اٹھایا گیا اور یہ سب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومتی پالیسیوں کا ردعمل تھا۔

1947ء میں قائم ہونے والے حبیب بنک لمٹیڈ کو پاکستان کا دوسرا سب سے بڑا کمرشل بنک سمجھا جاتا ہے۔ ملک بھر میں اس کی 1425 برانچیں ہیں جبکہ امریکہ، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، ایشیاء برطانیہ، سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ سمیت کئی یورپی ممالک، اور افریقہ سمیت 26 ممالک میں اس کی 48 برانچیں تھیں۔

1425 ملکی برانچوں میں سے 1408 Retail اور 17 Coporate برانچیں تھیں۔

جس وقت حبیب بنک کو فروخت کیا گیا اس وقت حبیب بنک بنک کو پاکستان کی کل بینکنگ برنس کے 20 فیصد حصہ پر کنٹرول حاصل تھا۔ حبیب بنک کے تین ذیلی ادارے بھی تجارتی دنیا میں بھی کام کر رہے تھے۔ جن کے نام یہ تھے۔

1: حبیب بنک فنانشل سروسز پرائیوٹ لمیٹڈ کراچی

2: حبیب فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ ہانگ کانگ

3: حبیب فنانس آسٹریلیا لمیٹڈ سڈنی

حبیب بنک نے دوناموں سے joint verture بھی کر رکھے تھے۔ ایک کا نام Habib Nigeria Band Ltd. ہے، جس میں اس کے 40 فیصد شیئرز ہیں۔ جبکہ دوسرے ادارے کا نام Himalayan Band Ltd. اس میں اس کے 20 فیصد شیئرز ہیں۔ حبیب بنک برطانیہ میں قائم Habib Allied International

Band Plc. میں بھی 90.5 فیصد شیئرز کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ بھی بنک کے کئی اعزازات تھے۔ مثال کے طور پر حبیب بنک پاکستان کا واحد بنک تھا جس کے ایران اور مصر میں بھی دو دفتر قائم ہیں۔

حبیب بنک کو پہلی بار سابق وزیراعظم نواز شریف کے دور حکومت میں نجکاری پروگرام کے تحت فروخت کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس وقت ایک کنیڈین گروپ نے اس بنک کو 60 ارب روپے یعنی اس وقت کے مطابق 1.2 ارب ڈالر کے عوض خریدنے کی پیش کش کی لیکن نواز شریف حکومت نے اس آفر کو کم سمجھتے ہوئے مسترد کر دیا تھا۔

اس وقت جب بنک کو فروخت کرنے کا پلان سامنے آیا تھا تو اس وقت پہلے بنک کی تنظیم نو اور اوور ہالنگ کی گئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیرون ملک قائم اس کی 48 برانچیں انتہائی منافع بخش ہو گئیں۔

قارئین کو یہ بات بتاتے چلیں کہ بیرون ممالک میں بینکنگ کا لائسنس حاصل کرنا اتنا آسان نہیں جتنا پاکستان میں ہے۔ بیرون ممالک میں بینکنگ لائسنس کے لئے وہاں کی حکومت کو اربوں روپے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ بینکنگ ماہرین اس بات پر حیران تھے کہ محض 382 ملین ڈالر ادا کر کے بین الاقوامی سطح پر شناخت حاصل کرنا اور پاکستان کی معیشت میں سرائیت کر جانے کا موقع ناقابل فہم تھا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر بعض ماہرین نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ لیے کہ پاکستان میں شائد ہی کوئی دوسرا ایسا بزنس ہو جو اتنی معمولی رقم سے اتنا ناقابل یقین اور بڑا فائدہ پہنچا سکے۔

نواز شریف دور میں حبیب بنک کی نج کاری پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی تاہم پرویز مشرف کے جرنیلی دور میں ایک بینکر شوکت عزیز کو ملک کا حاکم اعلیٰ بنایا گیا تو انہوں نے اس بنک کی فروخت کے منصوبے کو حتمی شکل دی۔ اس کے بعد سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ معاشی اور اقتصادی ماہرین حیران رہ گئے۔

حبیب بینک لمیٹڈ کی نجکاری دسمبر 2003ء میں ہوئی۔ حبیب بنک خریدنے کیلئے پیشکش

(Bidding) کا سارا عمل دس منٹ میں مکمل کر لیا گیا۔ پرائیویٹائزیشن کمیشن کے سیکرٹری نے نج کاری کے وقت بتایا کہ دو پارٹیاں مہر بند لفافے میں حبیب بنک کی خریداری کے لئے غیر مشروط پیش کش کریں گی۔ یہ لفافے عین موقع پر ہی کھولے جائیں گے اور جس پارٹی کی پیش کش حکومت کی مقرر کردہ قیمت کے مطابق ہوئی اسے کامیاب قرار دے دیا جائے گا۔

اس ساری صورتحال سے لگتا تھا کہ سب کچھ پہلے سے ہی طے شدہ ہے اور پہلے ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ حبیب بنک کسے دیا جائے گا؟

آغا خان فنڈ کی کامیابی کا اعلان کرنے والے نجکاری کے وفاقی وزیر برائے نج کاری ڈاکٹر حفیظ شیخ اور سیکرٹری نج کاری کمیشن احمد وقار سے جب حکومت کی کم سے کم مقررہ قیمت Reserve Price پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

"Reserve Price بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ بولی دینے والی پارٹی ہماری مطلوبہ شرط پر پوری اتری ہے۔"

وفاقی وزیر برائے نج کاری ڈاکٹر حفیظ شیخ اور سیکرٹری نج کاری کمیشن احمد وقار کا یہ بیان حبیب بنک کی نج کاری کی پوری حقیقت کھول دینے کے لئے کافی تھا۔

یہ بات ریکارڈ پر لانا ضروری ہے کہ اس بنک کی کارکردگی بہتر کرنے کیلئے وفاقی حکومت نے قومی بجٹ میں سے 9.7 ارب روپے اور 8 ارب روپے دو قسطوں میں یعنی 17.7 ارب روپے حبیب بنک کو دیئے تھے۔ اس کے علاوہ ملازمت سے رضاکارانہ دستبرداری سکیم (voluntary separtion scheme) کے تحت 4.8 ارب روپے خرچ کئے تھے۔ حکومت نے بنک فروخت کرنے سے ایک ہفتہ پہلے اس کے 9 ارب روپے کے ناقابل وصول قرضے یعنی Bad Debts کارپوریٹ اینڈ انڈسٹریل ری سٹرکچرنگ کارپوریشن (CRIC) کو منتقل کر دیئے۔ گویا قومی خزانے سے اس بنک پر 31.5 ارب روپے خرچ کئے گئے۔ اس بنک کے اثاثے ان کے علاوہ تھے۔ لیکن اس بنک کے 51 فیصد شیئرز صرف 382 ملین ڈالر یعنی 22.409 ارب روپے کے عوض فروخت کر دیئے گئے اور اسے آغا

خان فنڈ برائے معاشی ترقی Aga Khan Fund For Economic Development نے خرید لیا۔

بولی کی شرائط کے مطابق 26 فی صد شیئرز کی قیمت کی ادائیگی کے ساتھ بنک کا مکمل کنٹرول کامیاب بولی دہندہ یعنی آغا خان فنڈ فار ڈویلپمنٹ کو دے دیا گیا جبکہ باقی 25 فیصد شیئرز کی قیمت دو سال میں دو برابر قسطوں میں ادا کرنا تھی۔ بعد میں آغا خان فنڈ کو مزید نوازتے ہوئے رعایت دے کر بقیہ ادائیگی تین سالانہ اقساط میں کر دی گئی۔

26 فروری 2004ء کو حبیب بنک کا مکمل انتظام Aga Khan Fund For Economic Development کو سونپ دیا گیا اور اس کے بعد بنک کی ترقی کا نہ ختم ہونے والا دور شروع ہو گیا لیکن اب اس کا منافع آغا خان فنڈ کا تھا۔

اس طرح آغا خان گروپ نے اندرون ملک 1450 اور بیرون ملک 55 برانچوں والے حبیب بینک کو 22 ارب 40 کروڑ 90 لاکھ روپے میں خرید لیا جبکہ 26/02/2004ء کی بک ویلیو کے مطابق بنک کے اندرون ملک اثاثے 46 ارب روپے کے تھے اور 2000ء سے 2004ء کے درمیانی 4 سالوں میں بینک کا خالص منافع 20 ارب روپے تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت نے انکم ٹیکس ریبیٹ کے نام پر 2005ء میں بینک کو 9 ارب روپے واپس کیے۔ اس طرح بینک کی نجکاری کے وقت بینک کی اصلاح (ڈاؤن سائزنگ) کے لئے بھی 8 ارب روپیہ حکومت نے فراہم کیا، اس طرح آغا خان گروپ کو بظاہر یہ بینک 6 ارب روپے میں پڑا، یہاں اس امر کو مدنظر رکھئے کہ بک ویلیو ان چیزوں کی مقرر کی جاتی ہے جو 5 یا 10 سال قبل خریدی گئی ہوں اور وقت گزرنے پر صفر ہو جائیں، اس پر ان کی ایک روپیہ بک ویلیو مقرر کی جاتی ہے اس لئے بک ویلیوں والے 46 ارب کے اثاثے ان دو کھرب روپے کے اثاثوں سے الگ ہیں۔

مثلاً کوئٹہ میں گلستان روڈ والا بینک کا ریجنل ہیڈ کوارٹر 15 ایکڑ رقبہ پر محیط ہے، لاہور میں اپر مال پر ایچیسن کالج کے بالمقابل بینک کی عمارت اور اسلام آباد میں جناح ایونیو پر حبیب بینک ٹاور، اسلام آباد کی بک ویلیو تو صرف ایک ایک روپے ہی ہوگی لیکن اگر مارکیٹ قیمت کو دیکھیں تو

صرف حبیب بینک ٹاور اسلام آباد کی مارکیٹ ویلیو 26 ارب روپے ہے، ثانیاً یہ کہ جس وقت آغا خان گروپ کو 51 فیصد شیئر، 65 روپے فی شیئر کے حساب سے فروخت کئے گئے تو اس وقت سٹاک مارکیٹ میں حبیب بینک کے شیئر کی قیمت فی شیئر 235 روپے تھی، جبکہ 2008ء کے تیسرے مہینے میں فی شیئر قیمت 269 روپے ہے۔

حبیب بنک کے شیئرز ہولڈر کی تعداد اس طرح ہے۔

نمبر شمار	شیئرز ہولڈرز	تعداد شیئرز
1	سکیورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان	1
2	نیشنل بنک آف پاکستان (ٹرسٹی ڈیپارٹمنٹ)	105924
3	انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان	66390
4	پاکستان انشورنس کارپوریشن آف پاکستان	44813
5	پرائیویٹائزیشن کمیشن آف پاکستان	1886

دلچسپ بات یہ ہے کہ حبیب بینک کی نج کاری کے وقت اس کے اندرون ملک مجموعی اثاثے دو کھرب روپے سے زائد کے تھے جبکہ حبیب بینک کی مختلف اداروں میں انوسٹمنٹ 126 ارب روپے تھی، 26/04/2004 کو جس وقت حبیب بینک کی نجکاری مکمل ہوئی اس کے بیرون ملک اثاثوں کی قیمت 18 ارب روپے تھی جبکہ بیرون ملک انوسٹمنٹ 8 ملین ڈالر سے زیادہ تھی۔ نجکاری کے بعد بینک کی نئی انتظامیہ نے 20 ہزار ملازمین کو فارغ کیا جبکہ دوسری طرف بینک کے 8 بڑے افسران نے ملکی وغیر ملکی کلبوں کی 10 لاکھ روپے فی ممبر شپ کے حساب سے رکنیت حاصل کی، بینک کے صدر اور 5 دوسرے بڑے افسران، تنخواہ ڈالرز میں حاصل کرے ہیں اور بینک کے صدر کو اعلیٰ کارکردگی پر سالانہ ایک کروڑ کا انعام دیا جاتا ہے۔ 13 دوسرے افسران کو 10 سے 60 لاکھ تک کے انعامات عطا کئے جاتے ہیں۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ ایک طرف تو 2004ء سے 2007ء کے درمیان حبیب

بینک کے 20 ہزار چھوٹے بڑے ملازمین کو فارغ کیا گیا جبکہ دوسری طرف بھاری تنخواہ پر پسندیدہ لوگوں کو بھرتی کیا گیا مثلاً جنرل عثمانی کے بھائی، ظفر عثمانی، ایک سابق کرنل کی اہلیہ سائرہ خان، مس صائمہ، عمر ایوب کے دوست جمیل احمد خان اور 3 دوسرے افراد کو تین سے پانچ لاکھ روپے ماہوار تنخواہ پر رکھا گیا۔ عالیہ ظفر نامی خاتون جو کہ انکم ٹیکس میں 19 گریڈ کی افسر تھیں کو تین لاکھ 75 ہزار روپے ماہوار پر حبیب بینک ہیومن ریسورز نارتھ کا انچارج بنا دیا گیا۔ آغا خان گروپ نے بینک خریدنے کے بعد 5600 ملازمین کو جبراً گولڈن ہینڈ شیک سکیم کے تحت نکال دیا ہے۔ 2004ء میں حبیب بینک میں 19000 افراد کام کرتے تھے۔ اب صرف 13400 کام کرتے ہیں جبکہ 1997ء میں حبیب بینک میں 32000 افراد کام کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ شوکت عزیز نے اپنی وزارت خزانہ کے ادوار میں ہی حبیب بینک کی نجکاری کا منصوبہ بنالیا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ذاکر محمود کو بینک کا چیئرمین بنایا گیا جنہوں نے 2000 سے 2003 کے آخر تک بینک کے ملازمین کو فارغ کرنے کے مختلف منصوبوں پر عمل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ذاکر محمود کو اس مقصد کے لئے تقریباً 18 لاکھ روپے ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ انہیں شاید پاکستان میں سب سے زیادہ تنخواہ لینے والے اشخاص میں شمار کیا جاتا تھا۔ ذاکر محمود نے 2000ء سے 2003ء کے آخر تک دو نام نہاد گولڈن ہینڈ شیک سکیموں کے تحت تقریباً 7 ہزار افراد کو فارغ کیا اور اب تک تقریباً 12 ہزار افراد بینک سے فارغ کر چکے ہیں۔ 2005ء میں حبیب بینک سے 2300 محنت کشوں کو راتوں رات نکال دیا گیا۔ انہیں اب بینک کے دو سابق ایگزیکٹو راؤ مشرف اور امام الحق کی ایک پرائیویٹ کمپنی ٹھیکے پر دوبارہ بینک میں بہت کم تنخواہوں پر ملازم رکھوا رہی ہے۔

حبیب بینک کی موجودہ انتظامیہ نے بینک کے اعلیٰ عہدیداروں کیلئے بالکل مختلف برتاؤ رکھا ہے۔ 11 اگست سے 13 اگست 2006ء تک حبیب بینک کی تاریخ میں پہلی دفعہ 300 اعلیٰ افسران بینک کے خرچے پر عیاشی کیلئے دبئی بھیجے گئے۔ جہاں انہیں 5 سٹار ہوٹل میرٹ دبئی میں ٹھہرایا گیا ان کی تواضع روزانہ سافٹ اینڈ ہارڈ ڈرنکس اور کیبرے ڈانسوں سے کی گئی۔ اس عیاشی

پر بینک نے کم از کم 8 کروڑ روپے خرچ کئے۔

حبیب بینک کی نجکاری کا جہاں حکومت پاکستان کو 548 ارب روپے کا نقصان ہوا، وہاں حبیب بینک کے محنت کشوں کو بھی نجکاری سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے۔ پچھلے دو سالوں سے ان کی تنخواہوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔

نجکاری سے قبل بینک کا خالص سالانہ منافع 12 ارب روپے تھا جو اب بڑھ کر 15 ارب روپے ہو چکا ہے، حالانکہ رائٹ سائزنگ کے نام پر نجکاری کے وقت کی 1450 برنچوں میں سے 600 برانچیں بند ہو چکی ہیں۔ اس دوران بینک نے 2 ارب روپے کی مارکیٹ ویلیو والا کمپیوٹر سسٹم 8 ارب روپے میں خریدا، اس کمپیوٹر سسٹم کو بھارت اور پاکستان کے دوسرے بینک مسترد کر چکے تھے۔ نجکاری کے بعد جب ذاکر محمود کو بینک کا پہلا سربراہ بنایا گیا تھا تو اس کی وجہ ان کی دو خصوصیات تھیں، پہلی یہ کہ وہ شوکت عزیز کی طرح سٹی بینک کے ملازم تھے اور دوسری یہ کہ انہوں نے ہی شوکت عزیز کے کہنے پر آغا خان کو حبیب بینک خریدنے پر بینک خریدنے پر آمادہ کیا تھا۔

مجموعی طور پر 264 ارب روپے کے اثاثوں اور 126 ارب روپے کی اندرون ملک اور 8 ملین ڈالر کی بیرون ملک انوسٹمنٹ کی ملکیت رکھنے والے حبیب بینک کے 51 فیصد شیئرز 22 ارب 40 کروڑ 90 لاکھ روپے میں فروخت کرنے کے عوض اس وقت کے وزیر اعظم شوکت عزیز، مشیر خزانہ ڈاکٹر سلمان شاہ اور شوکت عزیز کے فرنٹ مین ذاکر محمود نے کیا فوائد حاصل کئے، اس بارے میں حبیب بینک کی آفیسرز ایسوسی ایشن کے ایک سابق رہنما عبدالقیوم آفریدی اور دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ تینوں افراد نے مجموعی طور پر 10 ارب روپے کا فائدہ اٹھایا۔ عبدالقیوم آفریدی یہ بھی کہتے ہیں کہ 2006ء اور 2007ء میں سٹاک مارکیٹ میں بحران اصل میں شوکت عزیز اور اس کے ساتھیوں کی کرپشن پر پردہ ڈالنے کے لئے پیدا کئے گئے۔

آغا خان فنڈ فار ڈویلپمنٹ کی ملکیت میں اس بنک نے 2006-2007 میں 19 ارب روپے منافع کمایا جو ایک ریکارڈ ہے۔ جبکہ اس سے پہلے دو سالوں کا مجموعی منافع بھی 16 ارب روپے بنتا تھا۔ اس طرح نج کاری کے بعد بنک نے تین سالوں میں 35 ارب روپے منافع کمایا۔

یہ حقیقت سب ماہرین کے چونکا دینے والی تھی کہ اس طرح آغا خان فنڈ نے 25 فیصد شیئرز کی قیمت اپنی جیب سے ادا کرنے کی بجائے ادائیگی کی مدت تین سال تک بڑھوا کر بنک کی کمائی سے ادا کر دی۔

حبیب بنک کی مالیت کا اندازہ لگا کر بیچنے والوں نے اس حقیقت کو بھی فراموش کر دیا کہ وہ ملک و قوم کا کتنا بڑا نقصان کر رہے ہیں۔ یہ بات قارئین کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگی کہ پاکستان میں 1991ء میں قائم ہونے والا 65 برانچوں پر مشتمل یونین بنک حبیب بنک کے مقابلے میں انتہائی چھوٹا بنک تھا۔ لیکن اس کے 80.86 فیصد شیئرز سٹینڈ رڈ چارٹرڈ بنک نے 413 ملین ڈالر میں خریدے ہیں۔ باقی کے 19.14 فیصد شیئرز کی قیمت بڑھنے کی وجہ سے اس کے سو فیصد شیئرز کی قیمت 511 ملین ڈالر ہو گئی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب یونین بنک کے شیئرز کی قیمت اتنی ہے تو اس سے کئی گنا بڑے حبیب بنک کی مالیت کیا ہوگی؟

اس کھلی لوٹ مار اور من پسند گروپ کو نوازنے پر بڑا شور مچا لیکن کسی کے کانوں پر جوں کی نہ رینگی۔، پارلیمنٹ، اخبارات اور تمام محب وطن حلقوں میں مسلسل شور اٹھتا رہا اور مطالبہ کیا جاتا رہا کہ اس صورتحال کا نوٹس لیا جائے لیکن ایسا لگتا تھا کہ نوٹس لینے والے بک چکے ہیں اور خریداروں کے ساتھ مل چکے ہیں۔

مسلم لیگ نواز کے راہنما اور سابق وزیر خزانہ سینیٹر محمد اسحٰق ڈار نے سینیٹ میں یہ سوال اٹھایا۔ انہوں نے حبیب بنک کی نجکاری کے عمل کو مشکوک اور گھاٹے کا سودا قرار دیتے ہوئے کہا کہ ”51 فیصد شیئرز کی کم از کم قیمت 600 ملین ڈالر ہونی چاہیے تھی۔“ لیکن چونکہ اس وقت ملک میں ”جرنیلی جمہوریت“ کا راج تھا اس لئے ان کی بات پر کسی نے کان نہیں دھرے۔

یہ صورتحال دیکھ کر 24 فروری 2004 کو لاہور کے شہری تسلیم شوکت خان نے سپریم کورٹ میں ایک آئینی پٹیشن دائر کی اور حبیب بنک کی نجکاری کو چیلنج کر دیا۔ اس آئینی پٹیشن میں انہوں نے یہ موقف اپنایا:

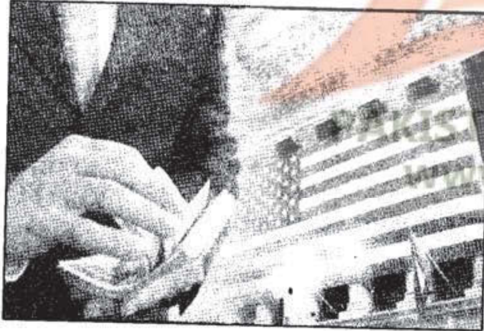
”حبیب بنک کی پوری نجکاری بدنیتی اور دغابازی پر مبنی ہے۔ گزشتہ حکومت کے دوران

کینیڈا کے ایک گروپ نے بنک خریدنے کے لئے 60ارب روپے کی پیش کش کی تھی۔ اسے بھی منظور نہیں کیا گیا تھا۔"

اس آئینی پٹیشن میں پٹیشنر نے بنک کے اثاثوں، اس میں inject کئے جانے والے اور گولڈن ہینڈ شیک پر خرچ کئے جانے والے 22.5ارب روپے کا بھی ذکر کیا اور عدالت عظمیٰ سے Stay Order جاری کرنے کی استدعا کی۔ سپریم کورٹ نے Stay Order جاری نہ کیا لیکن پٹیشن سماعت کیلئے منظور کرلی۔ یہ پٹیشن تاحال سپریم کورٹ میں زیرالتواء ہے۔

بینکنگ ماہرین کے مطابق حبیب بنک کی نجکاری سے قومی خزانے کو کھربوں روپے کا نقصان ہوا۔ یہ سوال سامنے آنا ضروری ہے کہ جس وقت حبیب بنک کی نج کاری ہوئی اس وقت شوکت عزیز وزیراعظم پاکستان اور جنرل (ر) پرویز مشرف صدر پاکستان تھے۔ کیا انہیں قومی خزانے کو پہنچنے والے اس نقصان کا علم نہیں تھا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں شخصیات پوری طرح باخبر تھیں۔ یہ سوال بھی سامنے لایا جانا ضروری ہے کہ حبیب بنک کی نجکاری کی منظوری دینے کیلئے ان دونوں شخصیات نے کیا کوئی مفاد حاصل کیا؟ اور اگر جواب ہاں میں ہے تو وہ کیا مفاد تھا؟ یہ راز سامنے لایا جانا ضروری ہے۔

ان سائیڈر ٹریڈنگ سکینڈل



انسائیڈر ٹریڈنگ سکینڈل

مئی 2007ء کے دوسرے ہفتہ میں امریکی ایف بی آئی کی ایک ٹیم کی پاکستان آمد کی اطلاع سامنے آئی تو اسی وقت باخبر لوگوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس ٹیم کی آمد بے وجہ نہیں ہے۔ ایف بی آئی کی جو تحقیقاتی ٹیم پاکستان آئی تھی اس کا دو رکنی وفد تحقیقات کے لیے سب سے پہلے کراچی گیا اور وہاں اس نے فیصل بینک کے ہیڈ آفس سمیت پاکستان میں کام کرنے والے دیگر بینکوں کا دورہ کیا۔ اس دوران پاکستانی میڈیا میں صرف یہ اطلاع آئی کہ ایف بھی آئی کی ایک ٹیم ایک بڑے مالیاتی سکینڈل کی تحقیقات کے لئے پاکستان پہنچ چکی ہے۔ یہ بڑا مالیاتی سکینڈل کیا تھا اور اس میں کون لوگ ملوث تھے؟ یہ ایسا سوال تھا جو ہر کوئی جاننا چاہ رہا تھا لیکن کسی کے کچھ پتہ نہیں تھا۔ پاکستان کے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے بھی اس حوالے سے مکمل خاموشی اختیار کئے رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اس بڑے مالیاتی سکینڈل کے بارے میں تفصیلات سامنے نہیں آسکیں جس میں پاکستان کے بہت سی وی وی آئی پی شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سکینڈل میں سابق وزیر اعظم شوکت عزیز، مشیر خزانہ سلمان شاہ، کئی وفاقی وزراء، نیشنل بینک آف پاکستان کے صدر علی رضا، ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے سربراہ عقیم محمود، عارف حبیب گروپ کے چیئر مین عارف حبیب، کراچی سٹاک ایکسچینج کے سابق چیئر مین شوکت ترین اور پاکستان ایئر لائنز کے چیئر مین ظفر علی خان ملوث تھے۔ اس سکینڈل کو "انسائیڈر ٹریڈنگ سکینڈل" اور " اسٹاک ایکسچینج ملین

آف ڈالرز'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی بازگشت پاکستان سے زیادہ امریکہ میں سننے میں آئی لیکن سکینڈل میں ملوث ماسٹر مائنڈ شخصیات کا تعلق پاکستان سے تھا۔

''انسائیڈ ٹریڈنگ سکینڈل'' یا'' اسٹاک ایکسچینج ملین آف ڈالرز'' کی تفصیلات بہت حیران کن ہیں۔

اربوں ڈالرز مالیت کے فراڈ پر مشتمل یہ سکینڈل امریکہ میں منظر عام پر آیا۔ پاکستان میں یہ پیسہ آیا اور یہیں انوسٹ ہوا۔ اس پیسے سے بہت سے لوگوں نے فائدے اٹھائے اور جب امریکی حکومت نے ذمہ داروں کے خلاف کارروائی شروع کی اور حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا تو پاکستان نے ذمہ داروں کو سزا دلوانے کی بجائے کچھ لوگوں کو قربانی کا بکرا بنا کر پیش کر دیا۔ امریکہ میں کچھ لوگوں کو سزائیں ہوگئیں اور اس پوری سازش کے ماسٹر مائنڈ بچ گئے۔

یہ مالیاتی سکینڈل کیا ہے؟ آیئے بتاتے ہیں۔

حافظ زبیر اس سکینڈل کے ایک مرکزی کردار ہیں جو امریکی سرمایہ کار کمپنی کریڈٹ سوئیس میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ یہ کمپنی مالیاتی امور پر مشاورتی خدمات فراہم کرتی ہے اور حافظ زبیر اس کمپنی کے مشیر تھے۔ اس سکینڈل کے دوسرے مرکزی کردار اعجاز رحیم تھے جو فیصل بنک کراچی کے شعبہ انویسٹمنٹ بینکنگ کے سربراہ تھے۔

اس سکینڈل کا آغاز اس وقت ہوا جب حافظ محمد زبیر نسیم نے ایسے مالیاتی سودوں کی تفصیل غیر قانونی طور پر اعجاز رحیم کو دینی شروع کر دیں جن کی پیشگی اطلاع ان کو اپنی کمپنی کے ان سودوں میں مشیر ہونے کے باعث قبل از وقت مل جاتی تھی۔ یہ اطلاع ملتے ہی اعجاز رحیم مستقبل میں ہونے والے ان سودوں کو پیشگی اطلاع کی بنیاد پر ان میں شریک کمپنیوں کے حصص امریکی سٹاک مارکیٹ میں خرید لیتے اور جوں ہی یہ سودے پایہ تکمیل تک پہنچتے تو وہ ان کے حصص فروخت کر کے بھاری نفع کماتے۔ اس نفع کی مالیت اربوں ڈالر بتائی جاتی ہے۔ حافظ زبیر اور اعجاز رحیم ایک ایک سودے میں پچاس، پچاس کروڑ ڈالر منافع کما لیتے تھے۔ یہ کام گذشتہ چھ ماہ سے ہو رہا تھا اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اس سکینڈل میں ملوث افراد نے اربوں ڈالرز کا منافع کمایا۔

یہ سکینڈل اس وقت سامنے آ گیا جب حافظ زبیر نسیم نے دو غیر ملکی کمپنیوں کے ادغام بارے اعجاز رحیم کو معلومات فراہم کیں۔ اعجاز رحیم نے یہ اطلاعات ملتے ہی امریکی سٹاک مارکیٹ میں مذکورہ کمپنیوں کے حصص خریدے اور بعد ازاں فروخت کر دیئے۔ حسب معمول اس سودے میں بھی دونوں نے 50 لاکھ ڈالرز منافع کمایا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔ تاہم اس مرتبہ ان کا کھیل بے نقاب ہو گیا کیونکہ امریکی ایجنسیاں گذشتہ چھ ماہ سے یہ کھیل دیکھ رہی تھیں۔

ایف بی آئی نے کچھ تفصیلات اکٹھی کیں تو چند ہی دنوں میں سارا کھیل بے نقاب ہو گیا۔

ایف بی آئی کی طرف سے سارا معاملہ بے نقاب ہوتے ہی امریکی ایجنسی کے لوگ حرکت میں آئے اور اس سکینڈل میں ملوث کرداروں کے گرد گھیرا تنگ کیا جانے لگا۔ جوں جوں اس سکینڈل کے بارے میں تفصیلات سامنے آنے لگیں تو پتہ چلا کہ یہ کتنا بڑا اسکینڈل ہے اور اس میں حافظ زبیر نسیم اور اعجاز رحیم کے علاوہ پاکستان کی اور بھی بہت سی بڑی شخصیات ملوث ہیں جن کا تعلق نہ صرف بینکنگ سیکٹر، سٹاک ایکسچینج بلکہ ایوان اقتدار سے بھی ہے۔

یہ اطلاعات سامنے آنے کے بعد ایف بی آئی کی ٹیم نے امریکہ میں موجود اس سکینڈل کے مرکزی کرداروں کو گرفتار کر لیا اور سکینڈل میں ملوث باقی افراد کی گرفتاری کے لئے پاکستان آنے کی تیاری کر لی۔ مالیاتی اصطلاح میں حافظ زبیر اور اعجاز رحیم جو کچھ کر رہے تھے وہ غیر قانونی تھا اور اس غیر قانونی کاروبار کو انسائڈر ٹریڈنگ کہا جاتا ہے اور پاکستان سمیت کئی ملکوں میں یہ ایک بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے۔

حافظ زبیر کی گرفتاری کی اطلاع پاکستان پہنچی تو اعجاز رحیم کو بھی پتہ چل گیا۔ اسی دوران ایف بی آئی نے حکومت پاکستان سے رابطہ کیا اور اس مقدمے کی تفصیل وزارت خزانہ کے توسط سے سٹیٹ بنک کو فراہم کر دیں جس نے ایف بی آئی کی طرف سے آنے والے تمام شواہد کی بنیاد پر 9 مئی 2007ء کو فیصل بنک کی انتظامیہ سے رابطہ کیا اور اعجاز رحیم کی برخواستگی کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اس چارج شیٹ میں اعجاز رحیم اور حافظ زبیر کے علاوہ لندن میں مقیم پاکستانی نژاد جوڑے سنیل، سیما سہگل اور ایک یورپی باشندے فرانسکو گارشیا پر انسائیڈ ٹریڈنگ میں ملوث ہونے کا الزام

عائد کیا گیا اوران کے خلاف کاروائی کا عندیہ دیا گیا۔ سٹیٹ بنک نے اعجاز رحیم کا پاکستان میں ایک بنک اکاؤنٹ منجمد کر دیا اور دیگر کئی ممالک میں ایف بی آئی کے توسط سے اس بارے میں تفصیلات اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔

اعجاز رحیم برخاستگی کے فوری بعد کینیڈا چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ حافظ زبیر کو ایک ماہ قید رکھا گیا اور جب کیس امریکی عدالت میں پیش کیا گیا تو حافظ زبیر نے ضمانت کروالی۔ شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے امریکی حکام نے نو مارچ 2007ء سے حافظ محمد زبیر نسیم اور اعجاز رحیم پر امریکہ کی ایک عدالت میں سے مقدمہ کی سماعت کا آغاز کر دیا۔

ایف بی آئی نے دعویٰ کیا کہ حافظ زبیر اور اعجاز رحیم گزشتہ چھ ماہ سے اس غیر قانونی کاروبار میں ملوث تھے اور اس دوران انہوں نے توسودوں میں کروڑوں ڈالر کمائے۔ عدالت میں وکلائے استغاثہ نے اعجاز رحیم پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے انسائیڈر ٹریڈنگ کے ذریعے ساڑھے ساٹھ ملین ڈالر کمائے۔ اس رقم کا زیادہ تر حصہ انہوں نے توانائی کے ادارے ٹی ایکس یو گروپ کی فروخت کے حوالے سے ملنے والی اندرونی معلومات کی مدد سے حاصل کیا۔ استغاثہ کے مطابق اعجاز رحیم کو یہ معلومات بینک کریڈٹ سوئس نیویارک کے بینکار اور اعجاز رحیم کے سابق رفیق کار حافظ محمد زبیر نسیم نے فراہم کیں جن پر پہلے ہی فرد جرم عائد کی جا چکی ہے اور وہ دس لاکھ ڈالر کی ضمانت پر ہیں۔ ایف بی آئی کا یہ بھی کہنا تھا کہ حافظ نسیم نے اپریل 2006 اور فروری 2007 کے درمیان باقاعدگی سے بارہا اعجاز رحیم کو فون کیا اور انہیں خفیہ معلومات فراہم کیں۔

نیویارک کی ایک عدالت نے اس مالی سکینڈل میں ملوث ہونے کی بناء پر حافظ زبیر اور اعجاز رحیم پر سازش اور سیکورٹیز دھوکہ دہی کے حوالے سے فرد جرم عائد کر دی اور اعجاز رحیم کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری کر دیئے۔

یہاں تک تو اس سکینڈل میں کوئی Thrill پیدا نہیں ہوا۔ اس سکینڈل نے اہم رخ اس وقت اختیار کیا جب ایف بی آئی نے خدشہ ظاہر کیا کہ اس فعل میں اعجاز رحیم تنہا نہیں تھا اور اس مالی سکینڈل میں ملوث بہت سے لوگ پاکستان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں تک پہنچنے کے لئے اور

معاملہ کی تحقیقات کے لئے ایف بی آئی کی ٹیم نے پاکستان کے دورے کی منظوری حاصل کی تا کہ اس سکینڈل کے دیگر کرداروں سے تفتیش کی جا سکے۔

اس سکینڈل کے دیگر کردار کون ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جو نہ صرف امریکی حکام بلکہ پاکستانی حکام کو بھی پریشان کر رہا تھا۔ ایف بی آئی کے پاس پاکستان کے مالیاتی شعبے کے اہم افراد کے اس سکینڈل میں ملوث ہونے کے بارے میں کچھ مواد موجود تھا۔ اسکے علاوہ کچھ ایسی واقعاتی شہادتیں بھی تھیں جو اس مقدمے میں اہم شخصیات کے ملوث ہونے کی نشاندہی کرتی تھیں۔

جس وقت اس سکینڈل کی بازگشت سننے میں آئی، اسی دوران ایک بھارتی اخبار نے الزام لگایا کہ پاکستانی وزیر اعظم شوکت عزیز، مشیر خزانہ سلمان شاہ، وفاقی وزرا اور کئی بینک مالکان ان سائیڈ ٹریڈنگ سکینڈل میں ملوث ہیں۔ بھارتی اخبار کے مطابق پاکستانی بینکار حافظ نسیم بدعنوانی اور سکیوریٹیز فراڈ کے 26 سکینڈلز میں ملوث ہیں۔ حافظ نسیم پر ٹیکساس انرجی (ٹی ایکس یو) کے بڑے منصوبے سے متعلق 9 معاہدوں کی تفصیلات افشا کرنے کا الزام تھا۔ رپورٹ کے مطابق اس ما لیاتی سکینڈل میں پاکستان کے اعلیٰ حکومتی عہدیداروں وزیر اعظم شوکت عزیز، مشیر خزانہ سلمان شاہ کے علاوہ نیشنل بینک آف پاکستان کے صدر علی رضا، ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے سربراہ عقیل محمود، عارف حبیب بروکیج ہاؤسز کے چیئرمین عارف حبیب، کراچی سٹاک ایکسچینج کے چیئرمین شوکت ترین اور پاکستان ایئر لائنز کے چیئرمین ظفر علی خان ملوث ہیں۔

انسائیڈر ٹریڈنگ کی تحقیقات کے لئے پاکستان آنے والی ایف بی آئی کی ٹیم نے جہاں اہم حکومتی شخصیات کے رشتہ داروں اور بعض ہاؤسنگ سکیم مالکان کے خلاف تحقیقات کیں، وہاں نیشنل بنک آف پاکستان کے سربراہ علی رضا سمیت ملک بھر میں بنک کی مختلف شاخوں کے مینیجرز اور ریجنل مینیجرز سے بھی پوچھ گچھ کی۔ ایف بی آئی کے پاس ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ نیشنل بنک آف پاکستان بعض ایسی کالعدم تنظیموں کو بھی مالیاتی تحفظ فراہم کر رہا ہے، جن پر حکومت پاکستان نے سخت پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ ایف بی آئی کی ٹیم نے اس سکینڈل کے مرکزی کردار اعجاز رحیم

کے زیر استعمال ٹیلیفونز اور موبائل کالز کا ریکارڈ پہلے ہی حاصل کیا اور بعد ازاں تحقیقات کو آگے بڑھایا۔ ایف بی آئی نے سب سے پہلے اعجاز رحیم کے پاکستان میں وسیع حلقہ اثر کو ہدف بناتے تحقیقات کا آغاز کیا۔ اعجاز رحیم کے حلقہ احباب میں ملک کی اہم شخصیات کے علاوہ، کابینہ کے اراکین، قومی بینکوں کے سرکردہ حکام، سٹاک ایکسچینج کے سرکردہ بروکرز اور بہت سی کاروباری اور صوبائی و وفاقی حکومت میں شامل اہم ترین سیاسی شخصیات شامل تھیں۔ ایف بی آئی کی ٹیم نے سابق وزیر مملکت برائے اطلاعات طارق عظیم کے بھائی اور وزیر اعظم شوکت عزیز کے قریبی معتمد شجاعت عظیم سے بھی اعجاز رحیم سے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ شجاعت عظیم نے لاہور ملتان روڈ پر سکھ چین نامی ایک ہاؤسنگ سکیم شروع کر رکھی ہے جس کی مالیت 115 ملین امریکی ڈالر بتائی جاتی ہے۔ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق اعجاز رحیم سکھ چین ہاؤسنگ سکیم میں حصہ دار بھی ہیں۔ ایک اور اطلاع کے مطابق یہ دونوں حضرات حبیب رفیق کے ایک ہائشی منصوبے الحمرا ہلز میں بھی پارٹنر ہیں جسے فیصل بینک نے فنانس کیا ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب کی ایک اعلیٰ شخصیت کے قریبی ساتھی بھی سکھ چین ہاؤسنگ سکیم میں حصہ دار بتائے جاتے ہیں۔ جن کے عرب حکمرانوں سے انتہائی قریبی روابط ہیں۔

یہ سکینڈل سامنے آنے کے بعد غیر ملکی سٹاک مارکیٹوں میں کال آپشن کنٹریکٹ کے ذریعے ان سائیڈ معلومات کی بناء پر کاروبار کرنے کی تحقیقات سے پاکستان کے بینکنگ سیکٹر میں تشویش کی لہر پیدا ہوئی اور بعض بینکاروں سے اس سکینڈل بارے تفتیش کے حوالے سے سٹاک مارکیٹوں اور بینکنگ سیکٹر میں بھی شکوک پیدا ہوئے جس کا مالیاتی سطح پر پاکستان کو نقصان ہوا۔

پاکستان کی اعلیٰ ترین شخصیات کے اس سکینڈل میں ملوث کے بعد ایک ایسا موقع بھی آ گیا تھا جب سیاسی اور معاشی ماہرین اس خدشے کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ اگر صورتحال کی بہتری کے لئے مناسب اقدامات نہ کئے گئے تو پاکستان کے فنانشل بلیک مارکیٹ قرار دیئے جانے کا خطرہ ہے۔ یہ پاکستان کے لئے اتنا بڑا دھچکہ ہوگا کہ شائد اس سے پاکستان کسی نئے معاشی بحران کا شکار ہو جائے۔ یہی وہ موقع تھا جب شوکت عزیز نے اپنے تعلقات کو استعمال کیا اور نتیجے کے طور پر پاکستان فنانشل بلیک مارکیٹ قرار دیئے جانے کا خطرہ ٹل گیا لیکن اس کے بدلے میں ان طاقتوں نے اپنے بھی کئی مطالبات منظور کروائے۔

اس سکینڈل سے پاکستان کی بدنامی میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ اس سے پاکستان کو دوہرا نقصان ہوا۔ ایک طرف عالمی مالیاتی مارکیٹوں میں پاکستان زیر بحث ہے اور ثبوت کے طور اس سکینڈل کا حوالہ دیا جاتا ہے تو دوسری طرف مالیاتی مارکیٹ میں پاکستان کا نام کچھ اچھے لفظوں میں میں نہیں لیا جا رہا اور وہاں وہ پاکستانی عالمی مالیاتی اداروں میں نوکریاں کر رہے ہیں ان پر بھی امریکی ایجنسیوں نے چیکنگ سخت کر رکھی ہے۔

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن سکینڈل

Ministry of Privatisation
Privatisation Commission
Government of Pakistan

EOI
Invited
for privatisation of

KESC

A unique opportunity to acquire a controlling interest in the
supply and distribution of electricity to Karachi
the largest industrial and commercial city in Pakistan

[illegible]

For further information/details please contact either the PC or PricewaterhouseCoopers at

Privatisation Commission | **PricewaterhouseCoopers LLC**

[illegible]

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن سکینڈل

کراچی کو پاکستان کا اقتصادی حب کہا جاتا ہے۔اس شہر میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اثر پورے پاکستان پر پڑتا ہے۔آج کراچی کے شہریوں سے اگر ان کا سب سے بڑ مسئلہ پوچھا جائے تو وہ بلا کچھ سوچ سمجھے کہے گا کہ لوڈ شیڈنگ کراچی کا سب سے برا مسئلہ ہے۔اس کا ذمہ دار وہ کراچی میں بجلی کی ترسیل کے ذمہ دار ادارے کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کو قرار دیتے ہیں۔بجلی کی اس لودڑ یڈنگ نے پاکستان کے اس اقتصادی حب کو جو نقصان پہنچایا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ لوڈ شیڈنگ سے بزنس تباہ ہو گیا ہے اور صنعتی ترقی کا عمل رک گیا ہے۔اس سے پاکستان کو روزانہ اربوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے اور یہ سلسلہ دو چار ماہ سے نہیں بلکہ کئی سالوں سے چل رہا ہے لیکن اس کے اصلاح واحوال کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی۔

اس پوری صورتحال کا ذمہ دار کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی انتظامیہ اور اس کے نااہل افسران کو سمجھا جاتا ہے۔اس کے علاوہ وہ نااہل حکمران اور کرپٹ سرکاری افسران جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کو فروخت کر کے نجی شعبے کے سپرد کر دیا جائے۔

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کو 13 ستمبر 1913ء میں انڈین کمپنیز ایکٹ کے تحت کارپوریشن اداروں میں شامل کیا گیا اور 1982ء کے بعد 1984ء میں کمپنیز آرڈیننس کے تحت اس میں کچھ ترامیم کی گئیں۔اس قسم کی کارپوریشن کراچی، لاہور اور اسلام آباد سٹاک ایکس چینج

میں رجسٹرڈ بھی ہیں۔حکومت پاکستان نے 1952ء میں اس کے شیئر ہولڈنگ سسٹم کے حصول کے بعد اس کا مکمل کنٹرول سنبھال لیا اور وفاقی سطح پر وزارت پانی بجلی اور توانائی اس کی دیکھ بھال کرتی چلی آ رہی تھی۔

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن 1910ء کے الیکٹریک سٹی ایکٹ کے تحت بجلی پیدا کرنے کے بعد اپنے لائسنس یافتہ کمرشل، رہائشی صنعتی اور زرعی علاقوں میں تقسیم کرنے اور انہیں چلانے کے کاروبار کے لئے کوشاں ہے۔کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کے زیر استعمال کل رقبہ 6000 ہزار مربع کلومیٹر ہے اور اس کا دائرہ کراچی اس کے مضافات، بمعہ دھالی جی اور گوادر سندھ تک اور بمعہ حب اتھل وندھارا اور بیلا بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے۔

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی انتظامیہ کے تمام تر معاملات کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کے دائرہ کار میں طے کیا جاتا ہے اور مینیجنگ ڈائریکٹر بحیثیت چیف ایگزیکٹو آفسر (CEO) بورڈ کے فیصلوں کو فائنل کرتا ہے۔سٹاف اور افسران کی دیگر تفصیل یہ ہے۔

30 جون، 1997ء تک:

	سٹاف	آفیسر
ٹیکنیکل	7799	701
نان ٹکنیکل	3819	327
کل	11618	1036

30 جون، 1998ء تک:

	سٹاف	آفیسر
ٹیکنیکل	7815	687
نان ٹکنیکل	3804	328
کل	11619	1015

30 جون، 1999ء تک:

	سٹاف	آفیسر
ٹیکنیکل	7699	677
نان ٹکنیکل	3803	325
کل	11502	1002

KESC کے حصول توانائی ذرائع:

اپنے پیدواری یونٹس:

1	بن قاسم تھرمل پاور سٹیشن
2	کورنگی تھرمل پاور سٹیشن
3	سائیٹ گیس ٹربائین پاور سٹیشن
4	کورنگی ٹاؤن گیس ٹربائین پاور سٹیشن

دوسرے پیداواری یونٹس:

1	Kanup (کینوپ)
2	پاکستان سٹیل
3	واپڈا

ذاتی طور پر پیداواری یونٹس:

1	ٹپال انرجی (پی وی ٹی) لمیٹڈ
2	گل احمد انرجی (پی وی ٹی) لمیٹڈ

پیداواری گنجائش/ میگاواٹ:

گیس/تیل	1,576 میگاواٹس
گیس ٹربائین	180 میگاواٹس
کل پیداواری گنجائش	1,756 میگاواٹس

دوسری پیداواری گنجائش/ میگاواٹ:

کراچی نیوکلیئر پاور	125 میگاواٹس
پرائیویٹ پیداواری پلانٹس	265 میگاواٹس
کل	390 میگاواٹس

کھپت اعداد و شمار:

سسٹم کی زیادہ سے زیادہ کھپت	1,885 میگاواٹس
پیداواری تقسیم (جی ڈبلیو ایچ)	11,547 میگاواٹس

پیداواری گنجائش کے ای ایس سی:

ایندھن	پیداواری مقامات	گنجائش
تیل/گیس	بن قاسم تھرمل سٹیشن (یونٹ 1 سے 5)	1260 میگاواٹس
تیل/گیس	کورنگی تھرمل پاور سٹیشن	316 میگاواٹس
گیس	سائیٹ گیس ٹربائین پاور سٹیشن	1000 میگاواٹس
گیس	کورنگی ٹاؤن گیس ٹربائین پاور سٹیشن	80 میگاواٹس
کل		1756 میگاواٹس

یہ وہ عظیم الشان ادارہ ہے جسے حاصل کرنے کے لئے بہت سے لوگوں کی رال ٹپک رہی

تھی۔حکومت کا دعویٰ تھا کہ کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن مسلسل نقصان میں جا رہا تھا،اس لئے اس کی نج کاری ضروری ہو چکی تھی۔حکوت آخر کب تک اس طرح کے نقصان میں جانے والے ادارے پالتی رہے گی۔

KESC اور نجکاری

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی نج کاری کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نااہلیاں اور بدیانتدیاں اس ادارے کا بیڑہ غرق کر رہی تھیں۔ٹیکسوں کا بوجھ سے نہ صرف صنعت کاری بیٹھ رہی تھی بلکہ عام صارفین بھی متاثر ہو رہا تھا اور حکومت کو یہ گڑھے پر کرنے کے لیے ٹیکس دہندگان کے گلے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ظلم تو یہ ہو رہا تھا کہ کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کو 14 بلین سالانہ نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔اس لئے KESC کے اندر موجود سود مند عناصر کو عیاں اور ان پر بھروسہ کرتے ہوئے ادارہ ہذا کو اپنے پاؤں کھڑا کرنے کے لیے عمل نج کاری انتہائی ضروری تھا۔

کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی نج کاری کی مخالفت کرنے والوں کا موقف اسے سے مختلف تھا۔ان کا کہنا تھا کہ نج کاری سے کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کے اخراجات میں کوئی خاص کمی نہیں ہوگی۔اس کے علاوہ نئے خریدار سکروٹنی بھی کریں گے جس کی وجہ سے ہزاروں ملازمین کو فارغ کر دیا جائے گا۔ان کی جگہ ڈیلی اجرت والے ملازمین بھرتی کیے جاتے ہیں۔ٹکنیکل کی جگہ نان ٹکنیکل سٹاف بھرتی کئے جانے سے بجلی کا بحران پیدا ہو جائے گا اور پھر اسے کنٹرول کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

یہ وہ صورتحال تھی جسے سامنے رکھتے ہوئے کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔اگرچہ کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی نجکاری کے کئی منصوبے ویسے تو کئی بار بنائے گئے لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ 1996ء اور 2002ء میں جب یہ منصوبے بنائے گئے اس وقت کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی لیبر یونین

طاقتور تھی اور وہی اس کی نج کاری کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

پرویز مشرف کے فوجی دور حکومت میں یونین سازی پر پابندی رہی جس کے باعث KESC کی نج کاری کا کام آسان ہوگیا۔ پرائیویٹ کمیشن اور ایشین ڈویلپمنٹ بینک کی طرف سے KESC کی نجکاری کے لیے پیش ویدر ہاؤس کو مشیر برائے سرمایہ کاری مقرر کیا گیا۔ ستمبر 2003ء میں نجکاری کمیشن نے معاشی ماہرین اور سرمایہ کاروں سے ان کی ترجیحات (EOLs) طلب کی تھیں کہ کیا 73% حصص کے حساب سے یہ کام ہوجائے گا؟ پانچ پارٹیوں نے اپنے اپنے مطالبات وشرح شرائط (RSOQs) آخری تاریخ تک جمع کرادیے جبکہ چار پارٹیوں نے اپنے (SOQs) عین آخری تاریخ پر جمع کرائے۔ (SOQs) جمع کروانے والی پارٹیوں میں سے تین پارٹیوں کو عمل نج کاری میں شرکت عمل کا حقدار ٹھہرا کر انہیں معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے اپنی اپنی بولی پوری کرنے کی دعوت دے دی گئی، بلکہ مکمل عملداری کی گفت وشنید کے لیے 17 اکتوبر 2004ء کو آخری میٹنگ بھی مقرر کرلی گئی۔ KESC کے بولی دہندگان کو مزید آگے آنے کا موقع 4 فروری 2005ء کو دیا گیا تو حسن ایسوسی ایٹ کنسورشیم اور کنوز الوطن (سعودی عربیہ) سامنے آئیں۔ پہلے نمبر پر کنوز الوطن پارٹی رہی جس نے 1.65 فی حصص 24,20 بلین کی بولی جمع کروائی جبکہ بحساب 73 فی صد حصص 1,01 تک حسن ایسوسی ایٹ کی بولی رہی، مگر بعدازاں یہی درجہ دوم پارٹی اپنی بولی کی رقم 100 ملین بھی چھوڑتی ہوئی KESC کے اس نج کاری پروگرام سے باہر ہوگئی تھی۔

نج کاری کمیشن نے پھر حسن ایسوسی ایٹ سے رابطہ کیا اور اسے جون میں کچھ اور اوپر آکر بولی بڑھانے کی پیشکش کی تو بالآخر 1.32 فی حصص تک کے لیے دو ممبران نے رضامندگی ظاہر کی لیکن 1,65 بلین تو ایک ڈراؤنا خواب ہی تھا۔ بعدازاں حسن ایسوسی ایٹ (ریاض) سعودی گروپ الجومعیہ ہولڈنگ کمپنی میں مدغم ہوگیا اور جرمن ملٹی نیشنل کمپنی سیمنز کی فنی شراکت کاری میں مطلوبہ بولی کے قریب پہنچ گیا بلکہ اس انتہائی بولی کے مقابلے میں NOCs بھی جمع کرادیے۔ حسن ایسوسی ایٹ کنسورشیم نے متعلقہ سودا کاری میں چند تبدیلیاں کرنی چاہیں جنہیں انیس بیس

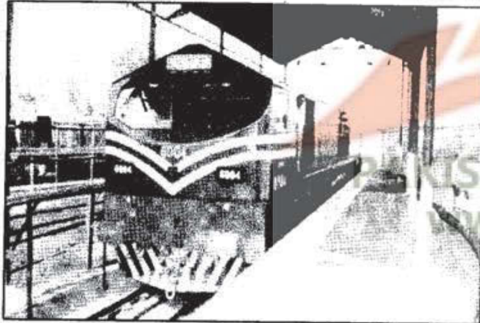
کے فرق سے حکومت نے تسلیم کرلیا۔

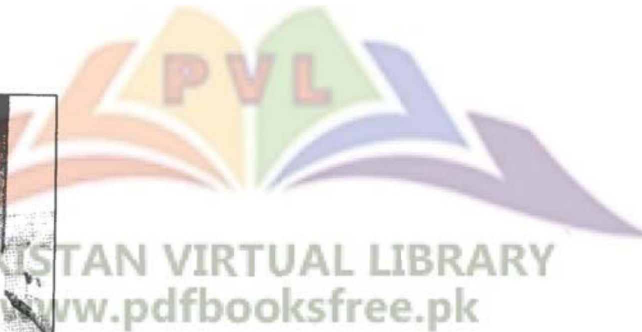
ان شرح شرائط میں پہلے سے ادا شدہ سو ملین کا تحفظ بطور پہلی قسط بتاریخ وصولی اتھارٹی لیٹر (LOA) فی حصص تناسب 2.1 کی بجائے 4.3 فوری رقم کا بدل اور حصص 4.38 بلین قابل واپسی مگر نیشنل بینک آف پاکستان جیسے بینک کی ضمانت کے ساتھ شامل تھیں۔ عبدالعزیز جو معیہ کی زیر سرکردگی ریاض الجومعیہ گروپ اس وقت ایک سرکردہ گروپ کی حیثیت سے آئل گیس، ٹیلی کمیونیکیشن رئیل اسٹیٹ اور صنعت کاری جیسے شعبوں میں سرمایہ کاری کرچکا ہے۔

اس وقت کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کے دو مقامی سرمایہ کار گروپ ہیں۔ ان میں ،حسن ایسوسی ایٹ اور پریمیئر ورکنفائل سروسز اور دو ہی ٹیکنیکل پارٹیز ہیں GE اور ABB جبکہ سیمنز دیکھ بھال، توڑ پھوڑ اور درستگی کا ذمہ دار ہے۔ معاہدے کے مطابق بعداز ادائیگی بقایا رقوم سربرآوردگی، KESC کے نئے مالکان نئے سیٹ اپ کے لیے ساٹھ دن کا شیڈول وضع کریں گے، تمام ترسینیئر جونیئر ممبران پاکستانی ہوں گے جبکہ جنرل منیجر ایک جرمن ہوگا۔

سب کچھ نج کاری کمیشن کے منصوبے کے مطابق ہوا۔ کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کو ویسے ہی فروخت کردیا گیا جیسے نج کاری کمیشن چاہتی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ ایک المناک باب ہے، جس میں قدم قدم پر کرپشن اور بے ضابطگیوں کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ بجلی کی ترسیل کا نظام کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی نئی انتظامیہ سے سنبھل ہی نہ سکا۔ آئے روز کوئی نہ کوئی یونٹ خراب ہوجاتا ہے، جس سے بجلی کی ترسیل ہی نہیں ہو پاتی۔ کراچی کے شہریوں کا غصہ عروج پر ہے کیونکہ اس سے ملکی ترقی کا عمل رک گیا ہے۔ بجلی کا یہ بحران کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی نج کاری کے باعث پیدا ہوا کیونکہ نئی انتظامیہ معاملات کو اپنے کنٹرول میں کرنے میں ناکام رہی۔ حکومت، نج کاری کمیشن اور کراچی الیکٹرک سٹی سپلائی کارپوریشن کی نئی انتظامیہ کوئی بھی بجلی کے اس بحران کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں جس کی بدولت پاکستان کا اقتصادی حب اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔

پاکستان ریلوے سکینڈل





پاکستان ریلوے سکینڈل

پاکستان ریلوے ایک ایسا ادارہ ہے جسے ہر دور میں ہر حکمران اور اس کے حواریوں نے بے دردی سے لوٹا۔ اس محکمے میں لوٹ مار کی ایسی ایسی داستانیں رقم کی گئیں کہ عقل دنگ رہ جاتی کہ حکمرانوں اور بااثر شخصیات نے سرکاری افسروں کو ساتھ ملا کر لوٹ کھسوٹ کے کیسے کیسے طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ جنرل (ر) پرویز مشرف نے اپنے "فوجی انقلاب" کے بعد جب اقتدار سنبھالا اور بعد ازاں انہوں نے مطلق العنان حاکم کی طرح وفاق اور چاروں صوبوں میں اپنی مرضی کی حکومتیں بنوائیں تو ریلوے کا چارج انہوں نے ایک تھری سٹار ریٹائرڈ جنرل کے سپرد کر دیا۔ اس تھری سٹار جنرل نے ریلوے کو جس طرح چلایا، کم از کم ریلوے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دستیاب شواہد کے مطابق اس دور میں ریلوے میں جتنی کرپشن اور لوٹ مار کی گئی، اس نے ماضی میں ہونے والی کرپشن اور لوٹ مار کو مات دے دی۔ اس دور میں ریلوے میں لوٹ مار اور بے ضابطگیوں کا جو کھیل کھیلا گیا اسے پاکستان کی تاریخ کے بڑے مالیاتی اسکینڈلز میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ریلوے کو پہنچنے والا نقصان اربوں کا ہے۔

وفاقی وزیر ریلوے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل جاوید اشرف قاضی کی مبینہ کرپشن، لوٹ مار اور بے ضابطگیوں کے بارے میں سب سے پہلے انکشاف مسلم لیگ نواز کے راہنما صدیق الفاروق نے کیا۔ انہوں نے 26 اکتوبر 2002ء کو چیئرمین نیب کے نام خط لکھا اور اس میں بعض حقائق بیان کئے۔ صدیق الفاروق کے مطابق اس کرپشن کا ارتکاب لیفٹیننٹ جنرل (ر) جاوید اشرف

قاضی نے سیکرٹری ریلوے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل سعید الظفر ،مینوفیکچرنگ اور سروسز کے جنرل منیجر ریٹائرڈ میجر جنرل حامد حسن بٹ، ڈپٹی ڈائریکٹر مارکیٹنگ سمیرہ حمید اور دیگر لوگوں کے ساتھ مل کرلیا۔انہوں نے ریلوے کی 40ارب روپے مالیت کی زمین انتہائی معمولی کرائے پر دے دی۔ اسی طرح کروڑوں ڈالر مالیت کے خریداری کے معاہدے بھی کئے اور ان سب پر رشوت کے طور پر 5ارب روپے وصول کئے۔

صدیق الفاروق کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل جاوید اشرف قاضی اور ان کے ساتھیوں کی مبینہ کرپشن کی داستان کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔

ریلوے کے اثاثوں کی غیر قانونی فروخت:

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی نے مخصوص افراد کو فائدہ پہنچانے کیلئے ٹینڈر طلب کئے اور کھلی نیلامی کے بغیر ریلوے کی چالیس ارب روپے کی جائیداد انہیں دے دی۔ یہ تمام سودے ڈائریکٹر مارکیٹنگ خالد نقی کے مشورے پر کئے گئے ۔ خالد نقی کو لیفٹیننٹ جنرل جاوید اشرف قاضی نے ڈھائی لاکھ روپے ماہانہ تنخواہ پر بھرتی کیا تھا۔ انٹر سروسز انٹیلی جنس (ISI) کے سابق سربراہ ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر نے ایک ٹی وی انٹرویو میں کہا تھا کہ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی نے اپنا لاہور والا گھر بھی آئی ایس آئی کے فنڈ سے بنایا تھا جس کی موصوف نے تردید نہیں کی۔

سی این جی پمپوں کا منصوبہ:

جنرل (ر) جاوید اشرف قاضی نے بغیر پیشگی اہلیت (Prequalification) اور قومی اور بین الاقوامی ٹینڈر طلب کئے بغیر ایک کروڑ پتی شاعر فضل قدیر عجمی کو ملک بھر میں پھیلی ہوئی ریلوے کی انتہائی قیمتی زمین کے 80 پلاٹ سی این جی سٹیشن لگانے کیلئے لیز پر دے دیئے۔ لیز کی مدت 33 سال رکھی گئی۔ یہ پلاٹ اتنی کم قیمت پر دیئے گئے کہ حیرت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر آئی آئی چندریگر روڈ کراچی پر واقع 23 سو مربع گز کا پلاٹ 60 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیا

گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس معاہدے کے دو سال گزرنے کے باوجود بھی اس پر سی این جی سٹیشن نہیں لگے۔ یہاں پر فضل قدیر عجمی نے ایک اور کھیل کھیلا۔ شاعر موصوف نے تھائی لینڈ کی کمپنی ''نو پے ڈونگ کمپنی'' اور یو اے ای کی کمپنی میسرز ریکو (Reco) کو اس ڈیل میں اپنے ساتھ شامل کر کے اس کے 97 فیصد حصے آرمی ویلفیئر ٹرسٹ کو فروخت کر دیئے۔ اس طرح انہوں نے دوہرا فائدہ اٹھایا۔ کہا جاتا ہے کہ فضل قدیر عجمی کو یہ کہتے تھے کہ کئی حاضر سروس جرنیل اس کے گالف ساتھی ہیں اور وہی اسے تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔

لاہور گالف کورس:

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی نے ریلوے کے مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کو ایک انوکھی ''تجویز'' پیش کی جو یہ تھی کہ 125 ایکٹر پر مشتمل لاہور گالف کورس مسٹر فضل قدیر عجمی کو لیز پر دے دیا جائے۔ ریلوے افسران نے اپنے وزیر کی تجویز کو حکم جانا اور ان کے احکامات پر پر عملدرآمد کر دیا۔ لاہور گالف کورس لیز پر ملتے ہی فضل قدیر عجمی نے گالف کورس کے ساتھ ملحقہ کینال بنک پر واقع ریلوے افسروں کے بنگلوں کو بلڈوز کروا دیا۔ تھائی لینڈ کے فرم نو پے ڈونگ نے اس ڈیل میں بھی مسٹر عجمی کے فرنٹ مین کا کردار ادا کیا۔ ریلوے افسروں کے ان بنگلوں کے گرانے کا ٹھیکہ میسرز حسنین کنسٹرکشن کو دیا گیا۔ اس فرم کے مالکان کے جنرل پرویز مشرف کے رشتہ داروں سے قریبی اور گہرے تعلقات ہیں اور یہ فرم اسلام آباد، پشاور موٹر وے سکینڈل میں بھی ملوث ہے۔

فیصل آباد ریسٹ ہاؤس:

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی کے حکم پر فضل قدیر عجمی کو فیصل آباد میں ریلوے آفیسر ریسٹ ہاؤس کی جگہ بھی اونے پونے داموں لیز پر دے دی گئی۔ موصوف نے مذکورہ جگہ پر ''دبئی شاپنگ مال'' کے نام سے ایک تعمیراتی تجارتی منصوبہ شروع کیا اور اس شاپنگ مال میں دکانیں اور دفاتر وغیرہ کی بکنگ شروع کر دی۔ یہ پلازہ تعمیر ہونے کے بعد ریلوے اپنی اس

جائیداد سے بھی مکمل طور پر محروم ہو جائے گا۔

ریلوے انسٹی ٹیوٹ ہال:

کنٹونمنٹ ریلوے سٹیشن کراچی کے عقب میں میں واقع ریلوے انسٹی ٹیوٹ ہال محض 2 لاکھ روپے ماہانہ لیز فیس پر ٹیکسٹائل لاہور کو 33 سال کی لیز پر دیا گیا ہے۔ حالانکہ محکمہ ریلوے اپنے زیر انتظام اس سے مقابلتاً کہیں زیادہ آمدن حاصل کرسکتا ہے۔

سکول چلڈرن ہاسٹل:

کراچی میں ریلوے ملازمین کیلئے قائم ہاسٹل، ایک خاتون کے پرائیویٹ ادارے "فاؤنڈیشن پبلک سکول کراچی" کو لیز پر دے دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محترمہ کی وزیر ریلوے سے دوستی ہے۔

لیڈیز ویٹنگ رومز:

معلوم ہوا ہے کہ کراچی سٹی اور کراچی کنٹونمنٹ ریلوے سٹیشنوں پر واقع لیڈیز ویٹنگ رومز، میکڈونلڈ اور پیزا ہٹ کو لیز پر دینے کیلئے مذاکرات شروع ہیں۔

مالی نقصان:

40 ارب روپے مالیت کی پراپرٹی پر کئے جانے والے مذکورہ بالا تمام ڈیلز (Deals) سے اب تک ریلوے کو کل ڈھائی کروڑ روپے وصول ہوئے ہیں۔ یہ رقم مارکیٹ کے ممکنہ کرائے کا محض ایک فیصد ہے۔ اس طرح ریلوے اور قومی خزانے کو پہنچائے جانے والے نقصان کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مشکوک رازداری:

پبلک اکاؤنٹس کمیٹی اور آڈیٹر جنرل آف پاکستان نے ان تمام ڈیلز کی تفصیلات کئی بار طلب کی ہیں لیکن ریلوے وزیر ریلوے نے تعاون کرنے سے صاف انکار کردیا۔ پاکستان ریلوے کو

کارپوریشن میں ڈھالنے کیلئے لاہور میں قائم کئے گئے دفتر نے بھی اب تک دیئے گئے تمام ٹھیکوں اور ڈیلز کی تفصیلات کئی بار طلب کی ہیں لیکن اس دفتر کو جواب دیا گیا ہے کہ یہ تمام معاہدے خفیہ (Secret) ہیں اسلئے انہیں افشاء نہیں کیا جاسکتا۔

مشکوک سودے:

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی کی "راہنمائی" میں پاکستان ریلوے نے 80 ارب روپے مالیت کے مختلف سازو سامان کی خریداری کے سودے کئے۔ ان میں اکثر سودوں کو مشکوک سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان سودوں میں بھاری کمیشن کھایا گیا۔ ان مشکوک سودوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

ریلوے ٹریک اور سلیپرز:

پورے ملک کے ریلوے ٹریک کو ڈبل کرنے کیلئے سلیپرز اور ٹریک کی خریداری کا سودا انتہائی مشکوک حالات میں کیا گیا۔ میجر جنرل (ر) حامد حسن بٹ اور جنرل منیجر "مینوفیکچرنگ اور سروسز" نے وزیر موصوف کے ساتھ مل کر یہ سودا کیا۔ حامد حسن کے تعلقات لاہور کے بدنام ٹھیکیدار رشید کالیا سے ہیں۔ کالیا "شیرون انٹرنیشنل" نامی کمپنی کا مالک ہے اور آسٹریا کے شہر ویانا سے تعلق رکھنے والی ایک نسبتاً غیر معروف کمپنی "پلاسر اینڈ تھیورر" (plasser and Theorer) کا مقامی ایجنٹ ہے۔ واضح رہے کہ کالیا گزشتہ تین برس کے ریلوے کے اکثر بڑے ٹھیکے حاصل کرتا رہا ہے۔ جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ ریلوے ٹریک ڈبل کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تو میجر جنرل (ر) حامد حسن بٹ نے متعلقہ افسران کی ایک میٹنگ بلائی اور کہا کہ ویانا میں قائم کالیا کی کمپنی کو خریداری کا ٹھیکہ دیا جائے تو متعلقہ افسران ایسا کرنے سے ہچکچائے اور درخواست کی کہ اتنی بڑی خریداری قومی اور بین الاقوامی سطح پر اشتہار دیئے بغیر نہ کی جائے۔ اس دوران لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی میٹنگ میں شامل ہوئے۔ انہوں ریلوے افسروں کو حکم دیتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے ضروری کاغذات پر دستخط نہ کئے تو اس کے خوفناک نتائج بھگتنا پڑیں گے۔

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید اشرف قاضی نے مخالفت کرنے والے افسران کو یاد دلایا کہ وہ ISI کے سربراہ رہ چکے ہیں۔ان دھمکیوں کا مطلب نہ صرف انہیں نوکریوں سے نکالنا تھا بلکہ اپنے ISI سے تعلق کی بناء پر ان کے خاندانوں کو تباہ کرنا بھی تھا۔انہی ہولناک نتائج کے خوف سے متعلقہ افسر اس ایگریمنٹ پر دستخط کرنے پر مجبور ہو گئے قومی ریلوے ٹریک ڈبل کرنے کا کام دس سے پندرہ برس میں مکمل ہو سکے گا لیکن پہلے سے ہی اس سارے پروجیکٹ کیلئے ایک ''ڈیل'' کے تحت ٹریک، سلیپرز، ٹریک سٹیشن اور سپیئر پارٹس خریدے جا چکے ہیں اور سامان کراچی پہنچنا شروع ہو چکا ہے۔اس سامان کو سٹور کرنا پڑے گا اور انسٹالیشن کے انتظار میں ہو سکتا ہے کہ اس میں سے زیادہ تر زنگ آلود اور ناکارہ ہو جائے۔تاہم پاکستان ریلوے حاصل کئے گئے سپلائز قرضہ پر 5 فیصد سالانہ کے حساب سے سود اسی تاریخ سے ادا کرنا شروع کر دے گا جس تاریخ سے معاہدہ ہوا ہے۔

چینی بوگیاں (Chinese Coaches)

اسی طرح کی خفیہ لیزوں اور ٹریک کیلئے سامان کی خریداری سے ملتا جلتا سودا اگست 2002ء میں چین سے 35 کوچز کی درآمد کے سلسلہ میں ہوا۔اس کا ذکر قومی اخبارات میں بہت کم آیا۔جب یہ کوچز پاکستان پہنچیں تو معلوم ہوا کہ ان کا سائز بڑا ہے اور اس وجہ سے ریلوے پلیٹ پر مسافر اتارنے کیلئے کھڑی نہیں کی جا سکیں گی۔لہٰذا انہیں اس قابل استعمال بنانے کیلئے ریلوے پلیٹ فارمز کو توڑنا پھوڑنا پڑا۔وزیر موصوف نے ان کوچز کو درآمد کرنے کا فیصلہ اس کے باوجود کیا کہ پاکستان کی اپنی فیکٹریاں اس سے بہتر کوچز بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور غیر ملکی بھی اس کی خریداری میں دلچسپی رکھتے تھے۔بہر حال چینی کوچز کی سپلائی کا 200 ملین ڈالرز کا ٹھیکہ ایک پاکستانی فرم انٹر پلان کو دیا گیا۔یہ ٹھیکہ جنرل قاضی کی ڈپٹی ڈائریکٹر مارکیٹنگ مس سمیرا احمد کی ایڈوائس پر دیا گیا جو باضابطہ طور پر مذکورہ فرم کی ملازمہ تھی۔اس طرح اس سودے کی تفصیلات کو بھی جس میں ایکس فیکٹری قیمت اور کمیشن جو انٹر پلان کو دینا تھی، خفیہ رکھا گیا۔

☆☆☆☆

نیب کے چیئرمین نے صدیق الفاروق کے لیفٹیننٹ جنرل (ر) جاوید اشرف قاضی پر الزامات پر مبنی یہ خط یہ ریفرنس اپنے ادارے کے ڈائریکٹر انوسٹی گیشن اینڈ انٹیلی جنس ریٹائرڈ ایئر کموڈور نیر قیوم خواجہ کو بھیج دیا۔قیوم خواجہ نے صدیق الفاروق کو تین مختلف تاریخوں میں اپنے دفتر میں طلب کیا اور انہیں ریفرنس میں لگائے گئے الزامات کے بارے میں ثبوت پیش کرنے کیلئے کہا۔صدیق الفاروق نے یہ ثبوت نیب کے ڈائریکٹر آئی اینڈ آئی کو 15 نومبر 2002ء کو درج ذیل خط کی صورت میں پیش کئے۔اس خط کا متن یہ ہے۔

بخدمت چیئرمین نیب لیفٹیننٹ جنرل منیر حفیظ صاحب

بوساطت

ائیر کموڈور نیر کیو خواجہ ڈائریکٹر آئی اینڈ آئی اسلام آباد

عنوان: وزیر ریلوے اور دیگر افسران کے خلاف انکوائری

بحوالہ: شکایت بتاریخ 26 اکتوبر 2002ء

1970 میں جرمنی سے ٹیکنالوجی ٹرانسفر کے معاہدے کے تحت اسلام آباد میں ریلوے کیرج فیکٹری قائم کی گئی۔اس وقت سے یہ فیکٹری پاکستان کی ضرورت کیلئے بین الاقوامی معیار کی ریلوے کوچز (COACHES) تیار کر رہی ہے۔یہ فیکٹری اس وقت اس میں کم از کم 120 کوچز سالانہ بنا سکتی ہے۔اس کیرج فیکٹری کی گنجائش بڑھائی بھی جا سکتی ہے۔

ریلوے ماہرین کے مطابق ڈائریکٹ لیبر اور ڈائریکٹ میٹریل کی بنیاد پر اب بھی ایک اعلیٰ کوچ 30 لاکھ روپے میں بن سکتی ہے لیکن پر اوور ہیڈ چارجز اور سٹور چارجز ڈالنے کے بعد اسکی قیمت بڑھ جاتی ہے۔29 جون 2001ء کو پاکستان آرمی کے ساتھ 5 فرسٹ کلاس سلیپر اور ایک کچن کوچ سپلائی کرنے کا معاہدہ کیا گیا۔ فرسٹ کلاس سلیپر کوچ کی قیمت 71 لاکھ 47 ہزار 826 روپے طے پائی جبکہ کچن کوچ کی قیمت 46 لاکھ 95 ہزار 642 روپے مقرر ہوئی۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان ریلوے کو بوگیاں درآمد کرنے کی ہرگز

ضرورت نہیں ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ جاوید اشرف قاضی 28 اکتوبر کو اے آر وائی ڈیجیٹل کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ اعتراف کیا:

"چین نے وزیر اعظم محمد نواز شرف کو ان کے دورہ چین کے دوران ریلوے بوگیاں فروخت کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت کے وزیر اعظم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کیرج فیکٹری اسلام آباد بین الاقوامی معیار کی بوگیاں کئی گنا کم قیمت پر بنا رہی ہے۔"

ان کے اعتراف کے باوجود چین سے ریلوے کوچز منگوائی گئیں اور اس میں بھاری کمیشن کھایا گیا۔ لوٹ مار کے اس کھیل میں کوئی پیچھے نہ رہا۔

8 نومبر 2001ء کو چین کے ساتھ 175 ریلوے کوچز کا معاہدہ کیا گیا۔ اس معاہدے کے مطابق 40 کوچز براہ راست چین سے درآمد ہو رہی ہیں اور باقی 135 ریلوے کیرج فیکٹری اسلام آباد میں بنائی جائیں گی۔ معاہدے کے مطابق فرسٹ کلاس سلیپر کی درآمدی قیمت 5 لاکھ 71 ہزار 914 ڈالر (3 کروڑ 45 ہزار روپے) مقرر کی گئی۔

کیرج فیکٹری میں بننے والی فرسٹ کلاس سلیپر کوالٹی میں چین سے درآمد ہونے والی فرسٹ کلاس سلیپر سے کہیں زیادہ بہتر تھے۔ اس کے باوجود چین سے درآمد شدہ کوچ کی قیمت پاکستانی کوچز کی قیمت سے تقریباً 5 گنا زیادہ رکھی گئی۔ اسطرح ایک کوچ پر پاکستان کو 2 کروڑ 63 لاکھ کا نقصان ہوا۔ اس معاہدے سے پاکستان کو مجموعی طور پر 3 ارب روپے سے زیادہ کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔

ان چینی کوچز کے حق میں حکومتی سطح پر ایک ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ چین نے اس منصوبے کیلئے قرضہ فراہم کیا ہے اور چونکہ ریلوے یا حکومت کے پاس پیسے نہیں تھے اس لیے ہم نے معاہدہ کیا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ معاہدے کے مطابق ہم نے ساڑھے بارہ فیصد (12.50%) کے حساب سے 9 کروڑ 18 لاکھ 90 ہزار ڈالر کے اس

معاہدے کی ڈاؤن پیمنٹ (Down payment) کے طور پر 69 کروڑ 49 لاکھ 18 ہزار 140 روپے چین کو ادا کر دیئے گئے۔ 70 کروڑ روپے کی اس رقم سے ہم کیرج فیکٹری اسلام آباد میں ایک سال کے اندر ایک سو سے زیادہ کوچز بنا سکتے ہیں۔ گویا ہم ہر مہینے کم از کم 8 کوچز بنا کر انہیں پٹری پر ڈال سکتے ہیں جس سے پاکستان ریلوے کو آمدنی ملنا شروع ہو جاتی ہے۔ وزارت خزانہ کے حکم پر پاکستانی بینکوں نے ہی پی آئی اے کو 7ء4 ارب روپے کا قرضہ دیا ہے۔ وزارت خزانہ پاکستان ریلوے کو بھی اسی طرح قرضہ دلوا سکتی تھی۔

چین سے جب 14 کوچز کی پہلی کھیپ پاکستان پہنچی تو انہیں چلانے کیلئے ریلوے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم توڑنے پڑے کیونکہ یہ بوگیاں درآمد کرنے کا یہ معاہدہ انتہائی عجلت میں کیا گیا۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس سوال کا جواب اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کہ اس معاہدے کے ساتھ بعض پاکستانی حکام کے "ذاتی مفادات" وابستہ تھے اور ان حکام کے سربراہ بہر حال وزیر ریلوے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل جاوید اشرف قاضی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج تک اس معاہدے کا دفاع کرتے چلے آ رہے ہیں۔ میں اس دستاویز کے ساتھ معاہدے کا Annexure-A-1، Annexure-B-1 اور پانچ فرسٹ کلاس سلیپر کوچز اور ایک کچن کوچ کے معاہدے کے متعلقہ نقول پیش کر رہا ہوں۔ یہاں میں ایک بار پھر گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک سٹنگ منسٹر (sitting minister)، سٹنگ فیڈرل سیکرٹری اور سٹنگ جنرل منیجر کے خلاف شہادت دینے کیلئے گواہوں کا آنا ناممکن ہے۔ یہ لوگ نوکریوں سے نکالے جانے اور دیگر حربوں کے خوف سے ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے نہیں آئیں گے۔ اب تک متعلقہ معاملات کا ریکارڈ غالباً نیب نے قبضے میں نہیں لیا۔ میری گزارش ہے کہ متعلقہ ریکارڈ فی الفور قبضے میں لیا جائے اور ایک ایک مصدقہ نقل مجھے بھی دی جائے تاکہ میں قانون اور آڈٹ کے ماہرین کے ذریعے نیب کی مدد کر سکوں۔ اگر متعلقہ لوگوں کو اپنے عہدوں سے ہٹایا نہ گیا اور اسی کیفیت میں انکوائری جاری رکھی گئی تو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے ایسی انکوائری پر اعتماد کرنا بھی مشکل ہوگا۔ ضروری ہے کہ جن لوگوں کے خلاف شکایت ہے انہیں

اگر فی الفور گرفتار نہیں کیا جاتا تو معطل ضرور کیا جائے تاکہ ان کے خلاف شہادتیں پیش کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ وزیر ریلوے کی کرپشن وائٹ کالر کرائم کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ نیب کیلئے ٹیسٹ کیس ہے۔ پوری قوم اور دنیا کی نظریں اس کیس پر لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس انکوائری کو زیادہ غیر جانبدارانہ اور ٹرانسپیرنٹ انداز میں چلایا جائے۔

پیشگی شکریہ

خاکسار محمد صدیق الفاروق

☆☆☆☆

اس کے بعد صدیق الفاروق نے چیئرمین نیب کو ایک اور خط لکھا جس میں ریلوے کی قیمتی اراضی کو کوڑیوں کے بھاؤ دیئے جانے کے بارے میں شواہد پیش کئے گئے۔

2 دسمبر 2002

محترم لیفٹیننٹ جنرل منیر حفیظ صاحب چیئرمین قومی احتساب بیورو، اسلام آباد

بوساطت ائیر کموڈور ریٹائرڈ نیر کیو خواجہ ڈائریکٹر آئی اینڈ آئی نیب اسلام آباد

بحوالہ: ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل جاوید اشرف قاضی کے خلاف شکایت مورخہ 26 اکتوبر 2002ء

جناب عالی!

پنجاب ریونیو بورڈ سے لیز پر حاصل کردہ 141 ایکڑ پرائم لینڈ پاکستان ریلوے نے یکم ستمبر 2001ء کو کمرشل بنیادوں پر تین کمپنیوں کو 49 سال کی لیز پر دے دی تھی۔ اس سودے کو مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے مشکوک سودا قرار دیتے ہوئے ہر طرف سے اعتراضات آئے۔ کسی سودے، فیصلے یا اقدام کو مشکوک اور مخصوص مفادات کے تابع قرار دینے کیلئے تین عوامل ثابت کرنا ضروری ہوتے ہیں:

(1) کیا زیر نظر سودا فیصلہ یا اقدام بدنیتی پر مبنی ہے؟

(2) کیا زیر نظر سودے، فیصلے یا اقدام کیلئے قانون اور متعلقہ رولز کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

(3) کیا زیر نظر سودے، فیصلے یا اقدام کے نتیجے میں کسی کمپنی یا شخصیت کو فائدہ پہنچانے کیلئے دوسرے ادارے یا پارٹی کو مالی نقصان پہنچایا گیا ہے؟

یہ تین باتیں یا ان میں سے کم از کم دو باتیں ثابت ہو جائیں تو اس امر میں شک نہیں رہتا کہ متعلقہ سودے میں کرپشن کی گئی ہے۔ ہم سب سے پہلے کنال بنک روڈ لاہور کے ساتھ واقع 141 ایکڑ زمین کے سودے میں بدنیتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بدنیتی:

(1) اس قسم کے تمام سودے پرائیویٹائزیشن کمیشن کرتا ہے۔ لیکن اس سودے میں پرائیویٹائزیشن کمیشن کو مخصوص مفادات کے تحت جان بوجھ کر نظرانداز کیا گیا۔ کیونکہ اگر یہ سودا پرائیویٹائزیشن کمیشن کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچتا تو اس مخصوص ٹولے کے مفادات پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس طرح پرائیویٹائزیشن کو نظرانداز کرنے والے کی بدنیتی ثابت ہوگئی۔

(2) اس سودے سے محکمہ ریلوے کے چیف فنانشل ایڈوائزر اور اکاؤنٹس آفیسر کو بے خبر رکھا گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ سودا کرنے میں دلچسپی رکھنے والوں کو ان کی رائے سے اپنے مفادات پر زد پڑنے کا احتمال تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی نیت کی خرابی کی بناء پر ان افسروں کی انتہائی اہم اور ناگزیر رائے نہ لی۔ اس اقدام سے بھی ان کا حریصانہ مزاج اور بدنیتی ظاہر ہوگئی۔

(3) ریلوے آفیسرز کالونی کی 138 ایکڑ زمین کو اشتہار میں جان بوجھ کر شامل نہیں کیا گیا۔ یہ اقدام بھی بدنیتی ثابت کرتا ہے۔

(4) اگر عالمی معیار کے گولف کورس کے ذریعے ریلوے کو زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پہنچانا مقصود تھا تو اس کو بین الاقوامی سطح پر مشتہر کرنا ضروری تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا جس سے بدنیتی ثابت ہوتی ہے۔

رولز کی خلاف ورزی:

(1) یہ زمین پنجاب ریونیو بورڈ کی ملکیت تھی۔ اس نے ایک خاص مقصد کیلئے محکمہ ریلوے کو لیز پر دی تھی۔ قانون کے مطابق اگر اس زمین کے استعمال کا طریقہ تبدیل ہوتا ہے تو پھر یہ زمین اپنے اصل مالک یعنی حکومت پنجاب (پنجاب ریونیو بورڈ) کو واپس کی جانی لازمی ہے۔ اس زمین کا استعمال سوشل سے کمرشل بنیادوں پر کرنے کا یک طرفہ فیصل کرلیا گیا اور زمین اپنے اصل مالک یعنی حکومت پنجاب کو واپس نہ کی گئی۔ اس طرح مخصوص مفادات کے حصول کیلئے قانون کی سنگین خلاف ورزی کا ارتکاب کیا گیا۔ جب گالف کلب ایکشن فورم نے بورڈ آف ریونیو پنجاب کی توجہ اس قانونی خلاف ورزی کی طرف دلائی تو ریونیو بورڈ نے اپنے فیصلے یا رائے کا دوٹوک اظہار کرنے کی بجائے اپنی چھٹی No 1365-2002-Board of Revenue, punjab lahore, Dated the 3May,2002 میں گول مول جواب دیا۔ اس جواب کے مطابق "ریلوے حکام یہ کہتے ہیں کہ ہم متعلقہ زمین کے جائز مالک ہیں اور یہ زمین چیف ایگزیکٹو کی ہدایت کے مطابق لیز پر دی گئی ہے"۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ریلوے حکام نے اس وقت کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف کا نام مبینہ طور پر اپنے مفادات کیلئے استعمال کیا ہے۔ لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ اس مسئلے کی الگ سے تحقیق کی جائے۔

(2) ایسے کسی بھی منصوبے پر عملدرآمد کیلئے متعلقہ شعبے کے ماہرین سے فیزیبلٹی (feasibility) بنوانی ضروری ہوتی ہے۔ لیکن اس کی فیزیبلٹی تیار نہیں کرائی گئی۔ اس طرح بھی قانونی حدود سے تجاوز کیا گیا۔ ظاہر ہے یہ خلاف ورزی بھی مخصوص مفادات کے حصول کیلئے ہی کی گئی۔

(3) اس سودے میں ٹینڈر کے سارے طریق کار کی قانونی حیثیت کو نظرانداز کیا گیا اور ٹینڈر کھولنے کے بعد اس کی شرائط تبدیل کردی گئیں۔ ظاہر ہے اس تبدیلی میں بھی رولز کی خلاف ورزی کے علاوہ بدنیتی کی گئی۔ مالی نقصان لاہور کے علاقے پیکو روڈ پر واقع ریلوے کی زمین کے

بارے میں پاکستان ریلوے کے جنرل منیجر جناب اقبال صمد خان نے 8 جنوری 2000ء کو فرمایا:

اس کی مارکیٹ قیمت ساڑھے تین لاکھ روپے فی مرلہ یعنی 70 لاکھ روپے فی کنال ہے اور ہم یہ زمین مزید لیز پر دینے کیلئے اس قیمت کا 15 فیصد سالانہ بطور لیز فیس وصول کریں گے۔ اس قیمت کو اگر بنیاد بنایا جائے تو لاہور کینال روڈ پر واقع 1128 کنال زمین کی قیمت 7 ارب 89 کروڑ روپے بنتی ہے اور اس کا 15 فیصد حصہ 1 ارب 18 کروڑ روپے سالانہ بنتا ہے۔ سابق وزیرخزانہ ڈاکٹر مبشر حسن صاحب نے گالف کورس کی کم از کم مارکیٹ ویلیو 30 لاکھ روپے فی کنال قرار دی ہے۔ جبکہ لوکل مارکیٹ اس زمین کی قیمت 30 سے 40 لاکھ روپے فی کنال قرار دیتی ہے۔

یہاں یہ بات توجہ کی حامل ہے کہ آفیسرز کالونی کی 138 ایکڑ زمین کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر ہم 30 لاکھ کنال کا معیار ہی مقرر کرلیں تو اس زمین کی قیمت 3 ارب 38 کروڑ روپے بنتی ہے اور قواعد کے مطابق 15 فیصد کے حساب سے اس کی سالانہ لیز فیس 50 کروڑ روپے بنتی ہے۔ محکمہ ریلوے نے اس زمین کی سالانہ لیز فیس 2.5 ملین ڈالر یعنی تقریباً 15 کروڑ روپے شمار کی ہے۔ اس طرح محکمے کو ریلوے کے جنرل منیجر اقبال صمد کی بیان کردہ قیمت کے حساب سے ایک ارب تین کروڑ روپے سالانہ نقصان ہوتا ہے۔ اس میں سے سالانہ لائسنسنگ فیس سے ملنے والے ڈیڑھ کروڑ روپے نکال دیئے جائیں تو نقصان ایک ارب کروڑ اور 50 لاکھ روپے سالانہ بنتا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر مبشر حسن صاحب کے تخمینے کے مطابق 35 کروڑ روپے سالانہ نقصان ہوگا۔ اس میں سے سالانہ لائسنسنگ فیس سے ملنے والے ڈیڑھ کروڑ روپے منہا کردیئے جائیں تو پھر نقصان 33 کروڑ 50 لاکھ روپے سالانہ بنتا ہے۔ اس طرح اقبال صمد کے بتائے گئے حساب کے مطابق 49 سال میں 49 ارب 73 کروڑ کا نقصان ہوگا جبکہ ڈاکٹر مبشر حسن صاحب کے حساب سے 16 ارب 41 کروڑ روپے کا نقصان ہوگا۔ اگر ڈاکٹر مبشر حسن صاحب کی بیان کردہ قیمت کے حساب سے اس رقم کو 50 سال کے لئے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس کی سکیم میں لگا دیا جائے تو 3461 ارب روپے بنتی ہے اور اگر اقبال صمد صاحب کی بیان کردہ قیمت کو 50 سال کیلئے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ میں لگا دیا جائے تو 36،8079 ارب روپے

بنتی ہے۔

محکمہ ریلوے کو تو سالانہ اتنا عظیم نقصان ہوگا جبکہ لیز حاصل کرنے والی پارٹی کو اسی تناسب سے فائدہ پہنچے گا۔ ریلوے کو نقصان اور پارٹی کو یہ فائدہ پہنچانے کے پس پردہ مقاصد کیا ہیں؟ یہ ایک سربستہ راز ہے جس تک پہنچنا ضروری ہوگیا ہے۔ لیز حاصل کرنے والی پارٹی کی مالی رپورٹس سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ 12 اکتوبر 1999ء سے پہلے حسنین کنسٹرکشن کمپنی کے ذمہ مبینہ طور پر 5 ارب 50 کروڑ روپے کے چارجز واجب الادا تھے۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ لیز حاصل کرنے والی تینوں پارٹیاں کنٹریکٹ ایوارڈ ہونے کی تاریخ سے 25 دن کے اندر 50 لاکھ امریکی ڈالر کی رقم پہلی قسط کے طور پر ادا نہ کرسکی تھیں۔ جبکہ معاہدے کے مطابق یہ رقم 45 دن کے اندر ادا کرنا لازم تھا۔ اس سارے معاملے میں سابق وزیر ریلوے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل جاوید اشرف قاضی اور ان کی ٹیم کے دیگر ارکان کا بنیادی کردار ہے۔ ان کی وزارت ختم ہو چکی ہے لیکن سیکرٹری ریلوے اور جنرل منیجر ریلوے سمیت متعلقہ افسران اب بھی اپنے عہدوں پر موجود ہیں اور احکامات جاری کر رہے ہیں۔ اس حقیقت کی تردید بھی نہیں کی جاسکتی کہ یہ کیس ابھی تک ''انفارمیشن اور انٹیلی جنس'' کے مرحلے میں ہے۔ اس کی باقاعدہ انکوائری تا حال شروع ہی نہیں کی گئی۔

15 نومبر کو درآمد کردہ بوگیوں کے بارے میں دستاویزات فراہم رکھتے ہوئے میں نے گزارش کی تھی کہ تمام متعلقہ ریکارڈ قبضے میں لیا جائے اور اس کی مصدقہ نقول مجھے بھی فراہم کی جائیں تاکہ قانون اور آڈٹ کے ماہرین کے ذریعے نیب کی مدد کرسکوں۔ باوجود میری اس واضح عرضداشت کے ریکارڈ کی کاپی مجھے اب تک مہیا نہیں کی گئی۔ میں نے یہ گزارش بھی کی تھی، ''اگر ملزمان کو گرفتار کرنا ممکن نہ ہو تو معطل ضرور کیا جائے اور ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نام بھی شامل ہونا چاہیے۔ ان کے پاسپورٹ بھی قبضے میں لیے جانے چاہیں۔ انکے منقولہ اور غیر منقولہ اثاثے بشمول بینک اکاؤنٹس منجمد ہونا ضروری ہے''۔ لیکن ابھی تک ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل درآمد نہیں ہو جس کا بھرپور فائدہ ملزمان اٹھا رہے ہیں۔ 19 نومبر کو نیب کے ترجمان کا بیان جنگ اور نوائے

وقت سمیت دیگر ملکی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ:

''صدیق الفاروق نے بوگیوں کے بارے میں کچھ دستاویزات فراہم کی ہیں۔ تحقیقات شروع ہیں البتہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔''

تاہم اس کے بعد نیب کے ترجمان کے نام سے پی ٹی وی، جیوٹی وی، جنگ اور دیگر اخبارات میں یہ بیانات رخبریں شائع اور نشر ہوتی رہیں کہ جاوید اشرف قاضی کے خلاف کوئی ثبوت نہیں پیش کئے جاسکے لہٰذا انکوائری داخل دفتر کو دی گئی ہے۔ لیکن نیب کی طرف سے ان خبروں کی کوئی تردید بھی جاری نہیں ہوئی۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ وائٹ کالر کرائم کی انکوائری اتنے مختصر عرصے میں مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے انکوائری کے چند دنوں میں ختم کردیئے جانے کی خبریں پڑھ کر لوگ نیب کے عزت و وقار، غیر جانبداری اور اس کی انصاف پسندی پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ نیب کو یقیناً اپنی ساکھ عزیز ہوگی۔ یہ قومی اور بین الاقوامی توجہ کا مرکز اور نیب کیلئے ٹیسٹ کیس بن چکا ہے۔ اس لیے اب اس کی کارروائی کو صیغہ راز میں رکھنا نہ صرف غیر ذمہ دارانہ فعل ہوگا بلکہ نقصان دہ بھی ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نیب اپنے تمام اختیارات بروئے کار لاکر آگے بڑھے اور اپنی انکوائری کی تفصیلات سے ہر ہفتے پریس کے ذریعے آگاہ کرتی رہے تاکہ قوم اور دنیا کو معلوم ہوسکے۔ نیب اس کیس کے متعلق مکمل طور پر غیر جانبدار اور کرپشن کے خاتمے کیلئے اپنے عہد کی پابند ہے۔ 15 نومبر کو میں نے مزید کہا تھا کہ اگر ملزمان کے خلاف نیب نے اپنے معروف طریقہ کار کے مطابق کارروائی نہ کی تو اس انکوائری اور فیصلے پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔ میں ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ میری گزارشات پر مثبت اور ضروری عمل کیا جائے۔ میرے پاس اختیارات نہیں ہیں جبکہ نیب کے پاس وسیع قانونی اختیارات موجود ہیں۔ اس لیے نیب یہ تمام اختیارات اور وسائل زیر نظر کیس کی کرپشن سامنے لانے، ذمہ داریوں کا تعین کرنے اور ذمہ داروں کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے بھرپور طریقے سے کام میں لائے تاکہ میرے لیے تعاون جاری رکھنے میں آسانی ہوسکے۔

خاکسار محمد صدیق الفاروق

شوگر سکینڈل



شوگر سکینڈل

جنوری 2006ء میں اچانک پاکستان میں چینی کا ''بحران'' پیدا ہو گیا۔ یہ بحران اس طرح پیدا ہوا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ دن بدن یہ بحران شدت ہی اختیار کرتا چلا گیا۔ پہلے چینی کی قیمت 28 روپے فی کلو تھی لیکن پھر ایسے ہوا کہ چینی کی کی قیمت خلائی شٹل کی طرح اوپر جانے لگی۔ ایک ماہ میں ہی قیمت 45 روپے فی کلو تک پہنچ گئی۔ ملک کے دور افتادہ علاقوں میں چینی کی قیمت 50 روپے فی کلو سے بھی بڑھ گئی۔ چینی کی قیمت کو کنٹرول کرنا حکومت کی ذمہ داری تھی لیکن جب حکومت عمائدین کی توجہ اس طرف دلائی گئی اور کہا گیا کہ چینی کی قیمت کو کنٹرول کیا جائے اور جس نے یہ بحران پیدا کیا انہیں سامنے لایا جائے تو ہمارے سابق امپورٹڈ وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے مشیر خزانہ سلمان شاہ نے جواب دیا کہ حکومت چینی کی قیمتوں کو کنٹرول نہیں کر سکتی اور یہ کوئی بحران نہیں ہے۔

یہ بحران سنگین سے سنگین تر ہوتا چلا گیا اور پھر ایک وقت آیا کہ چینی پاکستان کی مارکیٹ سے غائب ہو گئی۔ چینی کا یہ بحران پاکستان کا سب سے بڑا اسکینڈل بن گیا۔ اس سکینڈل میں پاکستان کی شوگر ملوں کے مالکان کھرب پتی بن گئے اور چند ہی ماہ میں یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک بڑا اسکینڈل بن گیا۔ اس طرح حکومت کی خاموشی اور ساتھ دینے کے عمل سے شوگر مل مافیا 60 ارب روپے ہڑپ کر گیا۔

چینی کا یہ بحران اور بعد ازاں ایک بڑے سکینڈل کا روپ دھارنے والا یہ مسئلہ کیسے پیدا ہوا ؟اس سے کن لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور کون سے لوگ ارب پتی سے کھرب پتی بن گئے؟ آیئے اس بارے میں کچھ تفصیلات سامنے لاتے ہیں۔

ملک میں چینی کے اس'' بحران'' کی بنیاد اگست 2004ء میں اس وقت رکھی گئی تھی جب وزیر اعظم کے مشیر ڈاکٹر اشفاق حسن خان کے ساتھ شوگر مل مالکان نے ایک میٹنگ کی اور انہیں بتایا کہ مستقبل میں ملک میں پانچ لاکھ ٹن تک چینی کی کمی کا امکان ہے۔ ڈاکٹر اشفاق حسن خان نے شوگر مل مالکان کے اس خدشے کو رد کر دیا۔ ملز مالکان خاموشی سے چلے گئے۔ تاہم صرف تین ماہ بعد دسمبر 2004ء میں کابینہ کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ECC) کی ایک میٹنگ میں حکومتی نمائندوں کو اس امر کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ اقتصادی رابطہ کمیٹی نے پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر 2 لاکھ ٹن خام چینی درآمد کرنے کا اعلان کر دیا۔

کابینہ کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ECC) نے بے ضابطگیوں کی انتہا اس وقت کی جب چینی کی درآمد کے اجازت نامے میرٹ پر جاری کرنے کی بجائے اپنے من پسند لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے ساتھ پاکستانی مارکیٹ میں موجود چینی بڑی مقدار میں خرید کر ذخیرہ کر لی۔ ان سفارشی لوگوں نے خام چینی (RAW Sugar) کے پردے میں معیاری چینی بھی درآمد کی اور سی بی آر سے اپنے مطلب کا ایس آر او بھی جاری کروالیا۔ اس کے ساتھ ہی انڈر انوائسنگ (Under Invoicing) کے ذریعے کروڑوں روپے کا ٹیکس بھی ڈکار مار کر ہڑپ کر گئے۔

جب شوگر مکان نے چینی جی بھر کر ذخیرہ کر لی تو جنوری 2005ء میں ڈاکٹر اشفاق نے اچانک یہ اعلان کر دیا کہ ملک میں دس لاکھ ٹن چینی کی کمی ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے یہ اعلان کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کے اس اعلان سے چینی کی قیمتوں پر کیا اثر پڑے گا؟ جیسے ہی ان کا اعلان سامنے آیا، چینی کی بین الاقوامی قیمت میں 50 ڈالر فی میٹرک ٹن کا اضافہ ہو گیا۔ مارچ 2005ء میں خام اور تیار چینی کی کھلی درآمد Unlimited import کی اجازت دیدی گئی اور اس کے ساتھ ہی چینی کی قیمت کو بین الاقوامی قیمت سے جوڑ (Link) دیا گیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ 2006ء میں جس وقت چینی کی قیمت 45روپے فی تک پہنچ گئی تو اس وقت ملک میں چینی کی کوئی کمی نہ تھی، اس لیے کہ 2005ء کی درآمد اور گنے کے کرشنگ سیزن وغیرہ کی وجہ سے پاکستان میں 20لاکھ ٹن سے زیادہ چینی موجود تھی۔ مارچ 2006ء میں شوگر ملوں اور ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان نے قومی احتساب بیورو کو چینی کی موجودگی کے جو اعداد و شمار دیئے۔ وہ اس طرح تھے۔

1	شوگر ملوں کے پاس چینی کا اعلان شدہ سٹاک	13لاکھ 70ہزار ٹن
2	ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان کے پاس	2لاکھ ٹن
3	مارچ, اپریل میں مزید پیداوار	2لاکھ ٹن
4	تاجروں وغیرہ کے پاس حاضر، غیر اعلان شدہ	2لاکھ 50ہزار ٹن

یہ شوگر ملوں کا غیر اعلان شدہ سٹاک تھا جبکہ اصل سٹاک اس سے کہیں زیادہ تھا۔ یہ غیر اعلان شدہ سٹاک 20لاکھ 20ہزار ٹن بنتا ہے۔ ملک کی چینی کی زیادہ سے زیادہ ماہانہ ضرورت 3لاکھ 5ہزار ٹن سے 3لاکھ 15ہزار ٹن ہے۔ اس حساب سے ملک میں موجود چینی 15اکتوبر 2006ء تک کیلئے کافی تھی۔

شوگر مل مالکان کے پاس چینی کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ یہیں پر اصل کھیل شروع ہوا۔ شوگر مل مالکان نے حکومتی نمائندوں کو ساتھ ملایا اور پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ملک میں چینی کا بحران ہے۔ حکومتی نمائندوں اور شوگر مل مالکان نے پروپیگنڈہ کے ذریعے اتنی افراتفری پیدا کر دی کہ گمان یہ ہونے لگا کہ ملک میں واقعی چینی کا بحران ہے۔ اس دوران ماہرین کی طرف سے ایسے بیانات، تخمینے اور پروپیگنڈہ سامنے آیا کہ پورا ملک چینی کے بحران میں مبتلا ہو گیا۔ شوگر مل مالکان ساری چینی سٹاک کر لی اور بلیک میں فروخت کرنے لگے۔ اس طرح ناجائز منافع خوری کی راہ ہموار ہوئی۔ شوگر مل مالکان نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور وہ گنا جو انہوں نے 60روپے فی چالیس کلوگرام کے حساب سے خرید کر کرش کیا تھا اور جس پر چینی پر ان کی لاگت 20روپے فی کلو

آئی تھی ،وہی چینی انہوں نے 45روپے فی کلو بیچی اور اس طرح 60ارب سے 70 روپے کا ناجائز منافع حاصل کر لیا۔

جن شوگر مل مالکان نے یہ منافع حاصل کیا وہ سب سیاستدان تھے اور حکومت میں تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

نام	حکومت میں عہدہ	شوگر مل
جہانگیر ترین	وفاقی وزیر	جمال دین والی شوگر مل یونائیٹڈ شوگر مل
چودھری شجاعت حسین	حکمران جماعت کے صدر	پھالیہ شوگر ملز
چودھری پرویز الٰہی	وزیر اعلیٰ پنجاب	پنجاب شوگر ملز
سلیم الطاف		شکر گنج شوگر مل
ہمایوں اختر خان	وفاقی وزیر	تاندلیانوالہ شوگر مل
نصر اللہ دریشک	صوبائی وزیر	انڈس شوگر مل
عامر چیمہ	صوبائی وزیر	نیشنل شوگر مل

اس موقع پر حکومت بار ہا کہا گیا کہ چینی کی قیمت کو کنٹرول کیا جائے ورنہ ناجائز منافع خوری میں ملوث شوگر مل مالکان کے خلاف کارروائی کی جائے لیکن چونکہ وہی لوگ حکومت میں بیٹھے تھے جن کی شوگر ملیں تھیں اس لئے انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔ حکومت کو یہ تجویز بھی دی گئی کہ چینی پر عائد سیلز ٹیکس عارضی طور پر ختم کر دیا جائے، ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان کی سستے داموں خریدی گئی 2لاکھ ٹن چینی کو فوری طور پر مارکیٹ میں لایا جائے، ذخیرہ ظاہر نہ کرنے والوں کے خلاف فوری کارروائی کی جائے لیکن حکومت نے یہ تجاویز بھی رد کر دیں۔

جب ملک بھر میں احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اس وقت تک مل مالکان اربوں روپے اکٹھے کر چکے تھے۔ اس موقع پر حکومت نے اس سکینڈل کی تحقیقات کا اعلان کر دیا اور یہ کیس نیب

کے سپرد کر دیا۔نیب یہ کیسے جرات کر سکتا تھا کہ شوگر مل وزیر مافیا کو طلب کرے اور ان کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔یکم مارچ 2006ء کو چینی کے بحران اور ناجائز منافع خور کے بارے میں تحقیقات کا آغاز کیا لیکن 12 مارچ کو یہ تحقیقات ختم کر دی گئیں کیونکہ اس سکینڈل میں شوکت عزیز، ان کے مشیر ڈاکٹر اشفاق حسن خان، سلمان شاہ، چودھری شجاعت حسین، پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی، سابق وفاقی وزیر اتجارت ہمایوں اختر خان، سابق وزیر صنعت وپیداوار جہانگیر ترین اور مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں شامل بہت سے وزراء کے نام آرہے تھے اوران کے خلاف کارروائی سے ''جرنیلی حکومت'' کے استحکام کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔

